بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۳ | ۱۰ مئی ۲۰۲۶ء مطابق ۲۲ ذی القعدہ ۱۴۴۷ھ | شمارہ نمبر ۱۳

اس شمارے میں

ترے نام کی شوکت	صوفی عبد الرب صوفیؒ	۴
"سلامٌ علیٰ ابراھیم"	محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی	۵
اقامتِ صلوٰۃ	حضرت مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی	۷
حج: توحید کی عملی تربیت	مولانا عبد الرشید راجستھانی ندوی	۸
قربانی کا ہمہ گیر مفہوم	مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی	۹
حرم کعبہ ـ پہلا گھر خدا کا	مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی	۱۱
مذاکرات ـ مسائل کے حل اور تنازعات...	ڈاکٹر محمد وثیق ندوی	۱۳
کیا سورج چشمہ میں ڈوب سکتا ہے؟	مولانا سلمان نسیم ندوی	۱۴
حج بندگی اور وارفتگی کا سفر	مولانا محمد سمعان خلیفہ ندوی	۱۸
قوامیت اور صنفی مساوات	مولانا منور سلطان ندوی	۲۰
قربانی اور اس کے تقاضے	مولانا محمد مستقیم ندوی	۲۳
اسلام اور بنت حوا	محمد جاوید اختر ندوی	۲۴
تعارف وتبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۲۵
قربانی: نفس کے خلاف جہاد	ترنم بنت عبد السمیع	۲۷
کفن بردوش جا پہنچے مگر...	محمد نفیس خان ندوی	۲۸
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۲۹

سرپرست

حضرت مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

نائب مدیر

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

محمد نفیس خان ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت

مولانا عبد العزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرِ تعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہِ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagre Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Call : 9559844716
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون 500/-	فی شمارہ 25/-	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے۔ $100

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعروادب

ترے نام کی شوکت

صوفی عبدالرب صوفیؒ (وفات ۷رفروری ۱۹۷۵ء)

اے خدا تیری مہک پھیلی ہے گلزاروں میں
اے خدا نور چمکتا ہے ترا تاروں میں

نام رٹتا ہے ترا باغ میں پتہ پتہ
سنگ ریزے ترا دم بھرتے ہیں کہساروں میں

خشک صحرا میں ترے نام کی خاموشی ہے
اور رونق ہے ترے کام کی بازاروں میں

نہیں تسبیح میں مصروف فقط غنچۂ و گل
اے خدا تذکرہ ہوتا ہے ترا خاروں میں

لہلہاتے ہوئے پودوں میں تری شادابی
اور خشکی ہے تری سوکھے ہوئے خاروں میں

دودھ پیتے ہوئے بچے بھی نہیں ہیں خاموش
تیری معصوم ثنا خوانی ہے گہواروں میں

لال چہرے میں مجاہد کے جھلک ہے تیری
اور چمک تیری ہے چلتی ہوئی تلواروں میں

لے کے آتے تھے ملائک تری نصرت کی نوید
غزوۂ بدر کے دن تیغ کی جھنکاروں میں

دھاک بیٹھی ہے غلامانِ نبی کی تیرے
آج بھی سارے زمانے کے جہاں داروں میں

تھی ترے نام کی شوکت ترے اسلام کی شان
اے خدا خالدؓ و فاروقؓ کی للکاروں میں

تیرے موسیٰ کی جلالت کا مرقع دیکھا
قصر فرعون کی ٹوٹی ہوئی دیواروں میں

اے خدا صوفیؔ مسکیں سے بھی راضی ہوجا
وہ بھی ایک عمر سے ہے تیرے طلب گاروں میں

اداریہ

"سلام علی ابراھیم"

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

حج کا موسم تو شوال کا چاند نکلتے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اب وہ دن بھی دور نہیں جب 'آ ہوانِ کعبہ' حرم کے ارد گرد، بے خودی کے عالم میں کبھی صفا مروہ کی رہگزر پر اور کبھی منی کی وادی میں، اور کبھی عرفات کے میدان میں ہوں گے۔ مناسک اپنی ترتیب سے سامنے آتے جائیں گے، ارکان پورے ہوتے جائیں گے، طواف کے چکر' گردشِ زمانہ کی ہر گتھی حل کرتے جائیں گے۔ یہ سب ہوگا تو اس لیے کہ ہر ایمان والے' ہر اسلام والے، ہر کلمہ گو کے لیے اور ہر اس شخص کے لیے جو اللہ پر یقین اور اس کے گھر کی تعظیم کی دولت لیے ہوئے ہو، یہ عمل مذہب ہی نہیں؛ بلکہ انسانیت کی تاریخ کو محسوس کرنے کا عمل ہے۔

حج کی عبادت ظاہر ہے تمام عبادتوں کی طرح اللہ ہی کے لیے ہے: **و أتموا الحج و العمرة لله**۔ یہ بھی سچائی ہے کہ حج کی عبادت، روزانہ والی نہیں، مہینوں والی نہیں، سال والی نہیں، یہ تو پوری زندگی میں ایک بار کی فرضیت لیے اپنی اہمیت اور اپنی انفرادیت کو خود ہی بیان کرنے والی عبادت ہے۔ یہ انفرادیت آئی کہاں سے؟ اہلِ نظر بلکہ اہلِ دل کہتے ہیں کہ حج کا بڑا اور بنیادی مقصد کیا ہے؟ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے۔ کوئی عبادت برائیوں سے روکنے کی خصوصیت رکھتی ہے، کوئی نفس کی غلامی سے نکالنے والی ہے، کوئی انسانوں کی غم گساری، خصوصا زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے۔ یہ مقاصد بالکل واضح ہیں؛ لیکن حج کا بنیادی مقصد' اہلِ نظر کی نظر میں یہ ہے کہ انسانی تاریخ کے ایسے موڑ پر جب وہ شرک و کفر کی عالم گیر گرفت کی فضا میں تھی' اپنے رخ کو زمانہ کے دھاروں سے موڑ کر صرف ایک معبود کی جانب متوجہ کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح یاد کیا جائے کہ ان سے تعلق کی تجدید ہو جائے، ان کی جماعت میں شامل ہو کر '**ملة أبيكم إبراهيم**' کی خلعت سے سرفراز ہوا جائے۔ حج کے عمل کے ذریعہ اس ذات والا صفات کو قلب و ذہن میں اتارا جائے جس نے اپنی ساری زندگی اپنے خالق کی معرفت اور محبت کے لیے اس طرح وقف کر دی کہ پھر اس خالق کے وجود میں کسی اور کے شریک ہونے کے تصور کا بھی امکان نہیں رہا۔ '**و ما أنا من المشركين**' (میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں)، یہ نعرہ اپنی معنویت کے ساتھ ماننے والوں میں قیامت تک زندہ رہنے والا نعرہ بن گیا۔

حج کا ہر مقام یہ احساس اسی لیے دلاتا ہے کہ اے زائرینِ کعبہ ٹھہرو! سمجھو کہ تم اپنے باپ کی ایک وراثت کے وارث ہو۔ حج اسی میراث کی حفاظت کا عملی اظہار ہے۔

ہمارے بزرگوں نے لکھا کہ حج کی سب سے نمایاں اور دلکش تصویر بلکہ وہ روح ہے جو عشق و سرمستی اور مٹنے اور قربان ہو جانے کے رنگوں سے روشن ہے۔

دیکھا جائے تو حج کے مناسک اور اس کی اداؤں میں ایک اضطراب ہے، بے چینی ہے، بے قراری ہے، جو اصلاً خلاصہ ہے

حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی کی داستان کا۔صنم تراش باپ سے محبت بھی اور صنم تراشی کے پیشہ سے نفرت بھی۔اصنام سے گفتگو کی خواہش بھی اور ان کے بے جان، بے مقصد وجود کو پاش پاش کردینے کی کوشش بھی، پتھروں کو معبود کا درجہ دینے والوں کی عقل پر اف وتف بھی، اور پوری قوم کی نفرت کے شعلوں میں جسم وجاں پر آنچ نہ آنے دینے کی قوت بھی، گھر، خاندان، عزیز و اقارب، وطن، سب چھوڑنے کی ہمت بھی، صرف ایک کی خاطر ہر غیر کو خیر باد کہنے کی جرأت بھی۔بے آب وگیاہ پہاڑیوں کے ویران سناٹوں میں بیوی بچہ کو تنہا چھوڑ کر دنیا کو تج دینے کا عمل، اور پھر ''میں تو اپنے رب کی راہوں کا مسافر ہوں''، ''إني ذاهب إلی ربي'' کا نعرۂ مستانہ، کبرِسنی میں اپنے چھوٹے چھوٹے دو بیٹوں کی دوری کو صرف ایک دوست کی خاطر برداشت کرنے کا جذبہ، کبھی چاند تاروں سے باتیں اور مباحثے اور کبھی خوابوں کی باتوں کو حقیقت کی روشنی میں سچ کرنے کا حوصلہ، اپنے گھر کو بنانے سے بے نیاز لیکن اپنے معبود کے گھر کی تعمیر کے لیے اپنے جسم وجاں کو قربان کردینے اور مرٹنے کی تمنا۔محبوبِ حقیقی کی طرف سے آزمائشوں پر آزمائشیں، صرف دوستی، خلیلیت اور فدائیت کو پرکھنے کے لیے، حتی کہ اس بیٹے کی جان کا سودا بھی جس نے خدا کے گھر کی تعمیر میں باپ کے ہاتھ بٹایا، اب ان ہی ہاتھوں کے ذریعہ جگر گوشہ کو قربان کردینے کی ناقابلِ یقین ہمت، زندگی کا ایسا امتحان کہ خود امتحان لینے والا کہہ دے کہ: 'إن هذا لهو البلاء المبين' یہ تو بڑی کھلی آزمائش ہوگئی۔

حج واقعی صرف مظہرِ عبادت نہیں، میراثِ ابراہیمؑ واسماعیلؑ ہے۔ایسی یادگار، ایسی میراث جس میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ میں جسم وعقل کی لگام، دل اور جذبات کے حوالہ کردی جاتی ہے، اور عشاق ومحبین اور ان کے امام وپیشوا ابراہیم خلیل اللہ کی ہر ہر ادا کی نقل کی جاتی ہے۔جہاں یہ سوچ ہر لمحہ ایک نئی تجدیدی شان سے ابھرتی ہے کہ براہیمی زندگی دراصل اسباب کو ارباب سمجھنے والوں کے خلاف مسبب الاسباب کی حقیقت کا اعلان ہے۔یہ براہیمی زندگی' دنیا کے ایسے ہی بت گروں اور بت پرستوں کے خلاف بغاوت ہے، جو بتاتی ہے اور آج بھی اعلان کرتی ہے کہ:

آزر کا پیشہ خارا تراشی
کارِ خلیلاں خارا شگافی

حج کا موسم اسی لیے خاص ہے کہ یہ دنیا کے بتکدوں میں خدا کے پہلے گھر کی سالانہ زیارت ہی نہیں' دینِ حنفی کے قیام کی سالگرہ بھی ہے۔اس سال گرہ میں دل کی زبان پر جاری نغمے' وما أنا من المشركين' اور 'لم يك من المشركين' کے قیامت تک گونجتے رہیں گے۔حج حقیقتاً توحید کی سلطنت میں 'لا اله' کی حکومت کا اعلان ہے۔

ہمارا دور عرصہ سے اپنے براہیم کی تلاش میں ہے۔شاید کوئی حج ایسا بھی آئے جہاں تلاش کا یہ عمل اپنی کامیابی کا بھی اعلان کرے: 'سلام علی إبراهيم، كذلك نجزي المحسنين، إنه من عبادنا المؤمنين' یہی حج کا ماحصل ہے، یہی حج مبرور کا اشاریہ ہے۔

☆☆☆

تعلیم القرآن

اقامتِ صلوٰۃ

حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء)

{الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ} (البقرۃ: ۳)

(جو غیب کو مانتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔)

اس آیت میں اہل ایمان کی تین صفات بیان کی گئی ہیں، پہلی صفت کا تعلق دل سے ہے، دوسری صفت کا تعلق جسم سے ہے اور تیسری صفت کا تعلق مال سے ہے۔ گویا اس آیت میں تینوں طرح کی عبادات کی نمائندگی ہے۔ ایمان بالغیب کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے، ذیل میں اقامت صلوٰۃ کا تذکرہ ہے۔

''اقامت صلوٰۃ'' قرآن مجید کی خاص اصطلاح ہے، نماز پڑھنا اور نماز قائم کرنا' دونوں میں فرق ہے، نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے جو بھی آداب و متعلقات ہیں، ان میں پورا اہتمام ہو، اس کا آغاز وضو سے ہوتا ہے، آدمی پہلے مرحلہ میں اگر وضو اچھے طریقہ سے کرے گا تو اس کا بھی نماز پر ایک اثر پڑے گا، افسوس کی بات ہے کہ آج ہم لوگوں کا مشینی وضو ہوتا ہے، آج کل ٹونٹیوں کا رواج ہے، آدمی پانی کھول دیتا ہے اور وہ مسلسل بہتا رہتا ہے، وضو کرتا رہتا ہے اور باتیں بھی کرتا رہتا ہے، ظاہر ہے یہ ایسا وضو ہے کہ اس کے بعد جو نماز ہوگی' اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، اس لیے کہ بنیاد ہی گویا ٹیڑھی ہوگئی، اس کے بعد پورا نظام بھی کی طرف جانا یقینی ہے، واقعہ یہ ہے کہ آج ہماری نمازوں میں خشوع وخضوع پیدا نہ ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہمارا وضو درست نہیں ہے، اگر وضو درست ہوگا تو نماز بھی درست ہوگی، وضو کے درست ہونے کے لیے شرط ہے کہ آدمی اہتمام سے وضو کرے۔

وضو کے متعلق حدیث میں آتا ہے:

''إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ -أَوِ الْمُؤْمِنُ- فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ -أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ- فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ -أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ- فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ -أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ- حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ۔'' (مسلم: ۲۰۰)

(جب مسلمان بندہ۔ یا مؤمن بندہ۔ وضو کرتا ہے تو جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، پانی کے ساتھ۔ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ۔ پھر جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جو اس کے ہاتھوں نے کیا تھا، پانی کے ساتھ۔ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں سے ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جس کی طرف وہ چلا تھا، پانی کے ساتھ۔ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر نکلتا ہے۔)

وضو کرتے وقت ''بسم اللہ'' پڑھنا مسنون ہے، اس سے استحضار کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد اعضاء کو تین تین مرتبہ دھوئیں، اہتمام سے دھوئیں اور یہ خیال ہو کہ ہمارا جسم صاف ہو رہا ہے اور ہمارے گناہ دھل رہے ہیں، اگر کوئی اس کیفیت کے ساتھ وضو کرے تو وہ حقیقی معنی میں وضو ہے، ورنہ باتیں کرتے ہوئے اور پانی بہاتے ہوئے جو وضو ہوتا ہے وہ مشینی وضو ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے جب یہ روایت سنی کہ قیامت کے روز اعضاءِ وضو چمکیں گے تو وہ ہاتھ دھونے میں خوب مبالغہ کرتے تھے، ظاہر ہے یہ ایک کیفیت کی بات ہے۔

جب آدمی کا وضو درست ہوگا، پھر اس کے قدم نماز کی طرف بڑھیں گے اور یہ نیت ہوگی کہ ہر قدم پر نیکی مل رہی ہے، اس کے بعد آدمی مسجد میں آکر نماز میں شامل ہو تو یقیناً ایک کیفیت پیدا ہوگی۔

فرض نمازوں میں آدمی جماعت کا اہتمام کرے اور مسجد آنے کی فکر کرے۔ صفوں کو سیدھا کرنا بھی نماز قائم کرنے کا ایک حصہ ہے، لیکن آج کل اس کا بھی اہتمام نہیں ہوتا۔

صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

حدیث میں آتا ہے کہ: ''وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ۔'' (النسائی: ۸۲۰)

(اور تم آگے پیچھے مت ہو، ورنہ تمہارے دلوں میں ٹوٹ پھوٹ ہو جائے گی۔)

یعنی اگر تم صفیں سیدھی نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو ٹیڑھا کر دے گا، تمہارے دلوں میں ٹوٹ پھوٹ ہو جائے گی اور آپس میں محبتیں قائم نہیں رہیں گی۔

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

تعلیم الحدیث

حج: توحید کی عملی تربیت

مولانا عبدالرشید راجستھانی ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَقُولُونَ: لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، قَالَ: فَيَقُولُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: وَيْلَكُمْ قَدْ قَدْ، فَيَقُولُونَ: إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ، يَقُولُونَ هَذَا وَهُمْ يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ" (رواہ مسلم: ۱۱۸۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین (حج میں) کہا کرتے تھے: "لبیک، تیرا کوئی شریک نہیں"، تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: "ہلاکت ہو تم پر، بس کرو، بس کرو"، پھر وہ کہتے: "مگر وہ شریک ہے جو تیرا ہی ہے، تو اس کا بھی مالک ہے اور جو کچھ اس کی ملکیت میں ہے اس کا بھی، وہ یہ کلمات بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے کہتے تھے۔

تشریح: حج دراصل توحید کے شعائر و مظاہر اور ایمانی کیفیات و جذبات سے لبریز عبادت ہے۔ اس کی اصل حضرت ابراہیمؑ کی وہ دعوت ہے جس کی بنیاد ہی خالص توحید پر تھی۔ لیکن زمانۂ جاہلیت میں لوگوں نے اسی عبادت میں شرک کو داخل کر دیا تھا، یہاں تک کہ تلبیہ جیسے خالص توحید کے کلمہ کو بھی بگاڑ دیا۔ نیز دیگر اور بہت سی شرکیہ رسمیں جاری کر لی تھیں جن کی وجہ سے حج، جو توحید کی تعلیم دینے آیا تھا، شرک کی عملی شکل بن چکا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے آکر ان سب چیزوں کی اصلاح فرمائی اور حج کو دوبارہ خالص توحید پر قائم کیا۔ سب سے پہلے تلبیہ کو اس کی صحیح صورت میں سکھایا: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ (بخاری و مسلم)۔

ترجمہ: اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بے شک ساری تعریف تیرے لیے ہے، اور ساری نعمتیں بھی تیری ہی ہیں، اور ساری بادشاہی بھی تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

پھر آپ ﷺ نے حج کے ہر عمل میں توحید کو واضح کیا۔ طواف کے بعد مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی اور ان میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ کی تلاوت فرمائی (مسلم)، جو خالص توحید کے اعلان اور شرک سے براءت کے معانی پر مشتمل ہے۔ ان سورتوں میں ایک طرف غیر اللہ کی عبادت سے مکمل براءت ہے اور دوسری طرف اللہ کی وحدانیت کا اعلان۔

سعی کے دوران جب آپ ﷺ صفا اور مروہ پہاڑی پر چڑھتے تو یہ دعا پڑھی جو خالص توحید پر مشتمل ہے: اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔ (أبو داود)

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے حمد ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی، اور تمام لشکروں کو اکیلے شکست دی۔

یوم عرفہ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہترین دعا یہی ہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (الترمذي)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے حمد ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

رمیِ جمار کے وقت آپ ﷺ ہر کنکری کے ساتھ "اللهُ أَكْبَرُ" کہتے تھے۔ (بخاري)

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے۔

اس طرح حج کا ہر عمل، چاہے وہ تلبیہ ہو، طواف ہو، سعی ہو، عرفات میں دعا ہو، یا قربانی، سب کے سب ایک ہی سبق دیتے ہیں کہ بندگی صرف اللہ کے لیے ہے۔ جب بندہ ان اذکار کو سمجھ کر پڑھتا ہے اور ان اعمال کو شعور کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اس کے دل سے شرک کی ہر جڑ کٹ جاتی ہے اور اس کے اندر خالص توحید پیدا ہو جاتی ہے، بندگی و سرافگندگی کے جذبات دل میں موجزن ہوتے ہیں، دل اللہ کی عظمت سے سرشار ہو جاتا ہے اور عجز و نیاز کی کیفیت ہر بن مو سے ظاہر ہونے لگتی ہے۔ یہی حج کا اصل مقصد ہے کہ انسان کی پوری زندگی اس اعلان میں ڈھل جائے: "لا إله إلا الله وحده، لا شريك له"۔

☆☆☆

فکرونظر

قربانی کاہمہ گیر مفہوم

مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی (خیرآباد)

''قربانی'' اسلامی تاریخ کا اہم ترین باب ہے، بلکہ اسلام کی فطرت میں ہی ایثاروقربانی داخل ہے، کیوں کہ اس آخری و ابدی دینِ حنیف کی عمارت ہی ملتِ ابراہیم کی اساس پر قائم ہے، اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرنے کا مکلف بنایا ہے، اس لیے اسلام اسی ملت کی تکمیل کرتا ہے، سورۂ نحل میں حکم دیا گیا:

{ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ} (۱۲۳)

ترجمہ: پھر ہم نے آپ کو حکم دیا کہ آپ سیدھی راہ چلنے والے ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کریں۔

اور سورۂ آل عمران میں تمام مخاطبین رسالت و نبوت کو ابراہیمی ملت پر چلنے کی تاکید فرمائی گئی ہے:

''قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔'' (آیت: ۹۵)

اے رسول ﷺ! اپنے مخاطبین سے کہہ دیں کہ اللہ نے سچ فرمایا، تو تم ابراہیم (علیہ السلام) کے طریقہ کی پیروی کرو جو بالکل سیدھی راہ پر تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے۔

ان دونوں آیات میں ذاتِ رسول اور متبعین و مخاطبینِ رسول ﷺ کو ابراہیم خلیلؑ کے طریقۂ اطاعت وعبادت کو معیارِ بندگی بنا کر اس پر چلنے کا صریح حکم ہے، لہٰذا جب ایک مرتبہ عیدالاضحیٰ کے ایام میں جانوروں کی قربانی دینے کے سلسلے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسولِ کائنات محمد عربی ﷺ سے استفسار فرمایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ قربانی تمہارے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ اسی حدیث کی روایت امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت زید بن ارقم سے نقل کی ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے دربارِ رسالت میں عرض کیا، اے اللہ کے رسول! یہ جو قربانی ہم دیتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ عرض پرداز ہوئے کہ اس سنت کو ادا کرنے سے ہمارا کیا فائدہ ہوگا؟ فرمایا: قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ملے گی۔ عرض کیا: اور جو اون والے جانور ہیں ان کی قربانی دینے سے؟ فرمایا: اون کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ملے گی۔ (مشکوٰۃ: ۱۲۹)

چوں کہ اونٹ، بکری کے مقابلہ میں بھیڑ، دنبہ کے جسم پر اُون بہت زیادہ ہوتا ہے، اس لیے یہ سوال صحابہ کے ذہن میں آیا، ورنہ خاموش رہتے۔

آپ ﷺ کا ''سنة أبیکم إبراهیم علیه السلام'' فرمانا، اس میں پوری ایک تاریخ پوشیدہ ہے۔ ایک تو اہلِ مکہ قریش کے مختلف خاندان حسب ونسب میں خانوادۂ خلیل سے تعلق رکھتے تھے، دوسرے دین وشریعت میں ابراہیمی ملت پر قائم تھے، جن کی پیروی کا حکم اللہ نے ان کو دیا تھا، اور یہ بھی جانتے تھے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور ان کے پاکیزہ خانوادہ کے ہر فرد کی زندگی راہِ حق میں ایثاروقربانی سے عبارت ہے۔

یہ وہی ابراہیم خلیل اللہ ہیں جنھوں نے ایوانِ باطل اور قصرِ طاغوت میں اذانِ توحید بلند کی تھی اور الٰہِ واحد کی رضا کے لیے مصنوعی معبودانِ باطل کو پاش پاش کیا تھا، اور اس جرم کی پاداش میں نذرِ آتش کیے جانے کا نمرودی حکم جاری ہوا تھا، مگر مئے توحید سے سرشار، صدائے حق بلند کرنے والی یک وتنہا ذاتِ ابراہیم کی جبین بندگی پر خوف وہراس کی ایک معمولی سی لکیر بھی ظاہر نہیں ہوئی۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ اور حضرت ہاجرہ علیہم السلام تینوں کی ہر ہر ادا میں قربانی کا عملی پیغام پوشیدہ ہے۔ رضائے حق کے لیے نومولود اسماعیل کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے صحرائے عرب کی سرزمین مکہ میں بیت اللہ شریف کی بنیادوں کے پاس اپنا ڈیرہ جمالیا تھا۔ بے آب و گیاہ میدان، آگ برسانے والے آفتاب کے نیچے جہاں نہ آدم اور نہ آدم زاد، لیکن سمعنا واطعنا کے خوگر خانوادہ کو اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔ راہِ خدا میں قربانی دینا ان کی سرشت میں داخل تھا، حرفِ شکایت زبان پر کیسے آسکتا تھا؟

انھی کی قربانیوں سے آبِ زم زم کا تحفہ ملا، جس کے بارے میں ارشادِ نبوی: ''ماء زم زم لما شرب له'' آبِ زم زم ہر اس چیز کے لیے شفا و برکت ہے جس کی نیت سے پیا جائے۔ اسی حد تک نہیں بلکہ آبِ زم زم میں غذائیت اور سیرابی سب کچھ ہے۔ اس کی فضیلت میں متعدد احادیثِ صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔

اور یہی نوخیز حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جن سے ان کے پدرِ بزرگوار نے جب فرمایا: بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں، تو

وہ خود سپردگی کی اعلیٰ مثال بن گئے: قَالَ یَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ۔

عرض کیا: ابا جان! آپ کو بذریعۂ خواب جو حکمِ الٰہی ملا ہے، اس پر عمل کر ڈالیے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا ثابت قدم پائیں گے۔

ایسے اطاعت شعار، رضائے الٰہی کے طلب گار، قدم قدم پر قربانیوں کا نذرانہ پیش کرنے والے خاندان کی حرکات، اداؤں، قربانیوں کو اللہ رب العزت نے کسی نہ کسی لحاظ سے دین اسلام کا حصہ بنا دیا، یا تو مناسکِ حج میں یا رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و فرمودات کے ذریعہ سنت و واجب اور مستحب بنا کر، اور ہر سال جانوروں کی قربانی دلا کر اسی جذبِ اطاعت و سپردگی کی تجدید کرائی جاتی ہے۔

میدانِ منیٰ میں حجاج کرام کے ذریعہ اور پوری دنیا کے مالدار و خوش حال اصحابِ نصاب فرزندانِ توحید پر یوم النحر و ایام التشریق میں قربانی واجب فرما کر، تاکہ مسلمانانِ عالم ایک لمحہ بھی اس حقیقت سے غافل نہ رہیں کہ ان کی شان و شوکت، عظمت و رفعت کا راز پے در پے قربانیاں دینے میں پنہاں ہے۔

یہ قربانیاں صرف رسمی طور پر چند مخصوص ایام میں جانوروں کو ذبح کر دینے تک محدود نہیں ہیں، بلکہ زندگی کے ہر میدان میں ہمہ جہت قربانی دینی ہوگی، وہ بھی اپنے خالق و مالک رب العالمین کی رضا جوئی کے لیے، اور یہ کسی خاص عہد و زمانہ تک کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔

جہاں تک جانوروں کی شکل میں قربانی دینے کی بات ہے تو وہ ایک تمثیل ہے اس جذبۂ صادق کی جس میں أسلمت لرب العالمین کی روح کارفرما ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے: "لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ"۔ (الحج: ۳۷)

اللہ تعالیٰ تک ان جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا، لیکن تمہارا خلوص و تقویٰ اس تک پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی کرنے سے قبل اپنی نیتوں کو خالص اللہ کی رضا کے لیے کرنا اور اپنا سب کچھ وقت پڑنے پر راہِ خدا میں قربان کر دینا اور ہر عمل رضائے الٰہی کے جذبہ سے کرنا ضروری ہے:

"اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" کا نعرہ بلند کر کے قربانی پیش کرنا ہر مسلمان کا دینی شعار ہے۔

یعنی تمام تر جذبات و احساسات، رجحانات و میلانات اور ترجیحات کو رضائے رب کے آگے قربان کر دینے کا نام قربانی ہے۔ آج کے اس پُر فتن اور مسلمانانِ عالم کے مشکل و خطرناک ترین دور میں کامیابی کی صرف یہی ایک صورت ہے۔

قربانی کو اس کے وسیع و عمیق تر مطالب و مفاہیم کے ساتھ سمجھنے اور برتنے والے وہ نفوس قدسیہ تھے جو تربیت گاہ رسول کامل کے پروردہ تھے، ان کی زندگی دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے پہلے ہی دن سے، ایثار و قربانی کی راہ پر چل پڑی تھی، انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر اس کٹھن راستہ کو اختیار کیا تھا اور پوری صداقت و دیانت کے ساتھ اس پر گامزن ہوئے، اسلام نے جب بھی، جہاں بھی قربانی کا مطالبہ کیا، انہوں نے بے دریغ پیش کیا اس پر بھی یہی آوازہ بلند کیا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ کیا

ان کی ایثار و قربانی محض زیب داستان نہیں بلکہ نمونۂ عمل ہے، اللہ تعالیٰ نے اصحاب مصطفیٰ کو ہم مسلمانوں کے لیے معیارِ عمل بنایا ہے، یہ معیار کسی خاص وقت اور مخصوص زمانہ تک کے لیے نہیں، بلکہ قیامت تک کے لیے وہی فداکارانِ مصطفیٰ ہمارا شعار و معیار رہیں گے، جنھوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں قربانی کی مثال رقم کی ہے، وہ براہیمی مزاج اور محمدی شان رکھتے تھے، اور ہم کو یہ سبق دے گئے کہ اگر دنیا و آخرت کی سربلندی و سرفرازی چاہتے ہو، نصرتِ الٰہی کے خواہاں ہو اور شان و شوکت، عزت و عظمت کے ساتھ دنیا میں رہنا چاہتے ہو اور آخرت میں رحمت و مغفرت اور جنت کے طالب ہو تو تم کو بھی ہماری اسی راہ پر چلنا ہوگا جس پر ہمارے امام و مقتدا، نبیوں کے سردار، رحمۃ للعالمین محمد عربی صلوات اللہ علیہ والسلام نے چلایا اور ہماری تعلیم و تربیت فرمائی، پھر رب العالمین نے ہماری اطاعت و عبادت، صلاح و تقویٰ، کردار و عمل اور اخلاق و اخلاص کا بار بار امتحان لیا، اس میں کامیابی کے بعد فتح و نصرت کی گھٹائیں ہم پر برسیں، سیادت و قیادت اور حکومت و سلطنت کی باد بہاری چلی، ہماری ایمانی طاقت، اسلامی وحدت اور انسانی مساوات کا لوہا دنیا نے مانا، یہ سب پے در پے کی قربانیوں سے ہی حاصل ہوا، ہم نے بے شک عید الاضحیٰ کے ایام میں خوش دلی سے جانوروں کی قربانی کا نذرانہ بارگاہِ رب العالمین میں پیش کیا۔ لیکن ہم نے قربانی کی شکل اپنے جذبات و احساسات اور ترجیحات کو اللہ رب العزت کی خوشنودی کے لیے قربان کیا، یہی ہماری تربیت کا تقاضا تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے ایمان لا کر قدم قدم پر شدید مخالفتوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا، ایذاء رسانی کے المناک دور سے گزرے، وحشت و بربریت کا سامنا کیا، مگر وہ اس آیت کے مصداق تھے {اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَآئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ}۔ (فصلت: ۳۰)

☆☆☆

بیت عتیق

حرم کعبہ: پہلا گھر خدا کا

مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی

اسلام میں کعبہ شریف کو نہایت بلند مرتبہ اور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ دین کے بنیادی ارکان خمسہ میں سے دو ارکان ۔نماز اور حج ۔تو اسی مقدس خانہ خدا سے مربوط ہیں۔ یہ اہل اسلام کا قبلہ ہے۔اس باب میں مسلمانوں کے تمام فرقے و مسالک متحد ہیں۔ یہ ایک تسلیم شدہ سچائی ہے کہ مکہ مکرمہ جہاں اسلامی وحدت، شان وشوکت اور قوت وسطوت کا مرکز ہے، وہیں کعبہ مشرفہ رب العالمین کے جاہ وجلال، یکتائی وکبریائی، عظمت و عزت، رحمت وشفقت اور فضل وکرم کا مظہر ہے۔

زادھما اللہ شرفاً وعظماً۔

کعبہ محترم!بارالٰہا!راقم کی زبان پر معاصی پر یہ کس کا نام آیا کہ نطق نے بوسے میری زبان کے لیے۔

کعبہ مقدس وہی متبرک ومعظم خانہ خدا ہے جس سے ساری کائنات کا وجود اور اس کا قیام وبقا مربوط ہے۔

اسی حرم مکرم سے دنیائے فانی کا نظام وانتظام اور امن وامان وابستہ ہے۔

رب کعبہ کا ارشاد ہے:**جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ۔ المائدہ:۹۷)**

(ترجمہ)''خدا تعالیٰ نے کعبے کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے''۔

یہی اسلامیان عالم کا کعبہ مقصود ہے۔ یہ بے جسم اور بے نشان والے حی وقیوم، غیب کے ستر پردوں میں مستور علیم وخبیر، رگ جاں سے زیادہ قریب سمیع وبصیر، آنکھ کی ہر جنبش اور دل کے ہر پوشیدہ خیال سے باخبر پروردگار عالم کی عظمت ورفعت، قادر مطلق کے جاہ وجلال، اس کی رحیمی و کریمی، اس کی غفاری وستاری، اس کی خلاقی و رزاقی، اس کی یکتائی وکبریائی اور اس کی دیگر اعلیٰ صفات کا مظہر ہے۔

یہ حریم قدس وہی نورانی بیت یزدانی ہے جہاں ہر برس خدائے رحمن ورحیم کے باتوفیق اہل ثروت بندے لاکھوں کی تعداد میں حج کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ یہ ضیوف الرحمن اس کے دامن میں پہنچ کر اپنے ہمہ داں وہمہ توانا رب کریم ارحم الراحمین کو بہ یک زبان وقلب پکارتے ہیں۔اپنی حاضری کا اعلان واقرار کرتے ہیں۔اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔اپنی لغزشوں پر شرم سار ہوتے ہیں۔ اپنی خطاؤں پر ندامت کا اظہار کرتے ہیں۔ رحمن دنیا ورحیم آخرت سے اپنی سیہ کاریوں کی معافی مانگتے ہیں۔اس عالم کے ستار اور اس عالم کے غفار کو اس کی بے پایاں رحمت ورافت، شفقت ومحبت اور عفوودرگزر کا واسطہ دے دے کر توبہ وانابت کرتے ہیں۔ دیوانہ وار طواف کرتے ہیں۔ ملتزم سے لپٹتے ہیں، حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ مقام ابراہیم پر نماز پڑھتے ہیں۔ میزاب رحمت کے نیچے دعائیں مانگتے ہیں۔ درودیوار کو چومتے ہیں، ان سے چمٹتے ہیں۔ آنکھیں ملتے ہیں۔ مطاف میں قیام وقعود اور رکوع و سجود کرتے ہیں۔صفا ومروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔صحن حرم میں روتے، بلکتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ توحید کے کلموں،تلبیے کے زمزموں اور اقرار رسالت کے نعروں سے اپنی زبان تر رکھتے ہیں۔ حج کے بعد اپنی باقی زندگیوں کو اپنے خالق ومالک کی مرضیات کے مطابق گزارنے کا وعدہ واقرار کرتے ہیں۔ گو کہ یہ تمام حجاج کرام رنگ، نسل، زبان، علاقے، ثقافت اور تہذیب میں یک ساں نہیں ہوتے ہیں لیکن وہ فاطر السماوات والارض کے اس البیلے اور پیارے گھر میں یک زبان، یک لباس، یک جہت اور یک رنگ ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ رب کعبہ نے اپنے پاک وپاکیزہ گھر کو اپنے بندوں کے لیے مقام رجوع اور جائے امن قرار دیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:**وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا(البقرہ:۱۲۵)**

(ترجمہ)''اور(وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانہ(کعبہ) کو لوگوں کے لیے ایک مقام رجوع اور مقام امن مقرر کیا''۔

مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ رقم طراز ہیں:

''البیت سے متفقہ طور پر مراد بیت الحرام یا حرم کعبہ ہے۔شہر مکہ معظّمہ کے اندر کی یہ عمارت روئے زمین پر خدائے واحد کی عبادت کا قدیم ترین مکان ہے۔۔

مسیحیت کو کعبے کی تقدیس وبرکت کے ساتھ ساتھ کعبے کی یہ قدامت بھی نہایت شاق ہے لیکن انکار قدامت پر کوئی دلیل ہر ممکن کوشش کے بعد آج تک قائم نہیں ہوسکی ہے۔ بلکہ انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں انگریز مصنف کو لکھنا پڑا:

''یہ وہ معبد ہے جس کی قدامت عہد تاریخ سے

پرے ہے''۔ (محمد اینڈ محمد نزم،ص:۱۶۶)

پھر آگے مشہور وقدیم رومی مورخ ڈایوڈورس سکولس (Diodorus Siculus) جس کا زمانہ خود حضرت مسیحؑ سے ایک صدی قبل کا ہے، کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس وقت بھی یہ معبد قدیم ترین تھا اور ساری نسل عرب کا نہایت مقدس مرجع تھا۔ (ص:۱۶۶)'' (ص:۲۴۰ تفسیر ماجدی جلد اول)

حرم کعبہ کی تاریخ بنی نوع انساں کی تاریخ ہے۔ دنیا کے بت کدے میں خدائے واحد لاشریک لہ کی عبادت کے لیے یہی مقدس گھر اولین عبادت خانے کے طور پر تعمیر ہوا۔

مالک کعبہ کا ارشاد ہے: إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ (آلِ عمران:۹۶)

(ترجمہ) ''بے شک سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لیے وضع کیا گیا وہ وہ ہے جو بکہ (مکہ مکرمہ) میں ہے (سب کے لیے) برکت والا اور سارے جہاں کے لیے راہ نما ہے''۔

حرم محترم کی تعمیر اس وقت ہوئی جب دنیا کی تعمیر ہوئی۔ جس وقت (خاکم بدہن) یہ مٹے گا، کارخانہ حیات ونظام کائنات بھی مٹ جائے گا۔

خانہ کعبہ کا تذکرہ مولانا دریابادیؒ کے وجد آگیں الفاظ میں:

''اللہ اکبر! یہ کون سا گھر سامنے ہے؟ نگاہیں کس گھر کی دیواروں کی بلائیں لے رہی ہیں؟ یہی تو وہ گھر ہے جس کی بابت کہا گیا ہے ''دنیا کے بت کدہ میں پہلا وہ گھر خدا کا'' روئے زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ! صدی دوصدی کی تعمیر نہیں، دو ہزار چار ہزار برس کی عمارت نہیں، دنیا کا سب سے پہلا عبادت خانہ! کون تاریخ اس وقت کا پتہ بتا سکتی ہے؟ کس نسل انسانی کا حافظہ وہ زمانہ یاد رکھ سکتا ہے؟ جس گھر کی بنیادیں خود آدمؑ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہوں، بنی آدم میں کون اس وقت کی یاد اپنے حافظے میں رکھ سکتا ہے؟

اللہ اللہ! اس طویل اور بے حساب مدت میں، اس ناقابل پیمائش عرصے میں کتنے عبادت خانے بنے اور بگڑے، کتنے مندر تعمیر ہوئے اور کھدے، کتنے گرجے آباد ہوئے اور اجڑے، کیسے کیسے انقلابات زمین نے دیکھے اور آسمان نے دکھلائے۔ بلندیاں پست ہوئیں اور پستیاں بلند ہوئیں۔ بابل مٹا، مصر مٹا، چین مٹا، ہندوستان مٹا، ایران مٹا، یونان مٹا، رومہ مٹا، خدا معلوم کتنے ابھرے اور ابھر کر مٹے، کتنے بڑھے اور بڑھ کر گھٹے، پر ایک عرب کے ریگستان میں خاک اور ریت کے سمندر میں، چٹانوں اور پہاڑوں کے وسط میں، وادیوں اور گھاٹیوں کے درمیان یہ سیاہ چوکور گھر، جسے نہ کسی انجینئر نے بنایا، نہ کسی مہندس نے، جوں کا توں کھڑا ہوا ہے! صدہا طوفان، ہزارہا انقلابات، بے شمار زلزلے آئے اور گزر گئے اور اس پاک اور پیارے گھر کو نہ کوئی ابرہہ مٹا سکا، نہ کوئی زارنکولس اور نہ کوئی گلیڈ اسٹن! جو اسے مٹانے کو اٹھا وہ خود مٹ گیا اور اللہ کے گھر میں اللہ کی جو عبادت آدمؑ اور حوا نے کی تھی وہی آج آدمؑ کے فرزند اور حوا کی بیٹیاں کر رہی ہیں!''

(سفر حجاز، باب ۲۴،ص:۲۸۷-۲۸۸)

صدق نگار خامہ ماجدی کیف ووجد کے موتی مزید رولتا ہے:

''۔۔۔۔۔۔رب السمٰوت والارض کا گھر، بیت اللہ! روئے زمین کے سارے طول و عرض میں کوئی اور گھر بھی، کہیں اور کبھی اس نام سے پکارا گیا؟

دیویوں کے مٹھ کتنے بنائے گئے، دیوتاؤں کے مندر کتنے سجائے گئے، بتوں کی پوجا کے لیے کیسے کیسے کلس دار شوالے سنوارے گئے اور آج بیسویں صدی کے دور جاہلیۃ الاخریٰ میں آرٹ اور سائنس کی دیویوں اور تہذیب وتمدن کے دیوتاؤں کی پوجا کے لیے، کالجوں اور یونی ورسٹیوں اور آرٹ اکیڈیمیوں کے نام سے، کتنے بت کدوں اور صنم خانوں کی اونچی اونچی تعمیریں کہاں اور کس حصہ زمین میں نہیں ہو رہی ہیں؟ بے شمار بت ہیں اور بے شمار ہی بت کدے، لیکن وہ جو ایک اکیلا ہے، واحد اور احد ہے، یکتا اور لاشریک لہ ہے۔۔۔۔ذرا شان توحید کا پرتو دیکھنا۔۔۔اس کا مکان بھی اس عالم آب وگل میں صرف ایک ہے۔ تاریخ کے اوراق الٹ ڈالو، جغرافیہ کی مدد سے اس وسیع وفراخ سطح زمین کا چپہ چپہ چھان ڈالو، بیت اللہ کے نام کی صرف یہی ایک عمارت ملے گی! اور پھر گھر بھی کیسا گھر؟ کس صفت کا گھر؟ ''هدی للعالمین'' ساری دنیا کے لیے ہدایت رکھنے والا، ہر قوم، ہر ملک، ہر طبقے، ہر گروہ کو درس ہدایت دینے والا! اس کے انوار، اس کے برکات، اس کے فیوض اور اس کی ہدایات، کسی ایک زمانے کے لیے، کسی ایک ملک کے لیے مخصوص نہیں، زمان کے قیود اور مکان کے حدود سے آزاد، جب اور جہاں جس کا جی چاہے اس سے فیض حاصل کرے''۔

(سفر حجاز، باب ۲۴،ص:۲۸۹-۲۹۰)

رب کعبہ سے دعا ہے کہ وہ اپنے مقدس حرم کے مجد وشرف، تعظیم وتقدیس، رونق اور آبادی میں بیش از بیش اضافہ فرمائے۔ ہر قسم کے شر وفساد سے اس کی صیانت وحفاظت فرمائے۔ اسلامیان عالم کو اس کی نگہ بانی و پاس بانی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

احوالِ عالم

مذاکرات

مسائل کے حل اور تنازعات کے تصفیے کا بہترین ذریعہ

ڈاکٹر محمد وثیق ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

مذاکرات مسائل کے حل، تنازعات کے تصفیہ اور کشیدگی کے خاتمہ کا ایک نہایت موثر ذریعہ ہے، اسی کے ذریعہ مختلف فریقوں کے درمیان باہمی مفاہمت، بقائے باہمی اور موثر رابطہ پیدا ہوتا ہے، بشرطیکہ مذاکرات باہمی اعتراف، کشادہ دلی اور دوسرے کو قبول کرنے کے جذبہ کے ساتھ ہوں، اگر مذاکرات کھلے ذہن، تعصب سے پاک اور برتری کے احساس سے خالی ہوں تو اس کے ذریعہ غلط فہمیاں، کشیدگیاں اور تصادم ختم ہو سکتے ہیں، لیکن اگر تصادم اور ٹکراؤ دانستہ طور پر مسلط کیا گیا ہو، تو پھر طویل سے طویل مذاکرات اور مسلسل گفتگو بھی اس کشمکش کو ختم نہیں کر سکتی۔

ہر تہذیب اپنی اصل قوت ان اصولوں سے حاصل کرتی ہے جن سے وہ جنم لیتی ہے اور اپنی بقا و دوام کے اسباب اس بات سے حاصل کرتی ہے کہ وہ قدیم اور معاصر تہذیبوں کے ساتھ کس حد تک تعامل کرتی ہے، تہذیبیں باہم اثر و تاثر کے عمل سے گزرتی ہیں، نہ کہ محض تصادم سے، اس لیے کہ "تدافع" اللہ کا ایک آفاقی قانون ہے، جب کوئی تہذیب تصادم اور کشمکش کو اپنا شعار بنا لیتی ہے، تو وہ اپنی انسانی روح سے خالی ہو جاتی ہے، اپنی فکری و ثقافتی خصوصیات کھو دیتی ہے اور بالآخر زوال و انحطاط کا شکار ہو جاتی ہے، حقیقی معنوں میں وہی تہذیب "انسانی تہذیب" کہلانے کی مستحق ہے جو دوسری تہذیبوں سے ٹکراتی نہیں؛ بلکہ ان کے ساتھ تعامل اور توازن کا راستہ اختیار کرتی ہے، دراصل تصادم تہذیبوں کا نہیں؛ بلکہ ان افراد کا شیوہ ہے جن کی فطرت میں اعتدال اور خیر پسندی نہیں ہوتی اور ایسے افراد اپنے رویوں کے اعتبار سے تہذیب کے نمائندہ نہیں کہلائے جا سکتے۔

چونکہ تہذیب ایک فعال قوت اور مثبت حرکت ہے جو خیر کے ارادے سے پروان چڑھتی ہے، اس لیے وہ حق، عدل، انصاف اور امن جیسی اقدار کو اپنے اندر سموئے ہوتی ہے، اس بنا پر وہ اس راستہ سے کوسوں دور ہوتی ہے جس کی طرف وہ لوگ لے جانا چاہتے ہیں جن کے دل بیمار ہیں اور جو فساد، تخریب اور انسانیت کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔

مسلم دنیا کے بارے میں مغرب کا رویہ محض غلط فہمی کا نتیجہ نہیں؛ بلکہ ایک منظم منصوبہ بندی کا حصہ ہے، جو صدیوں سے جھوٹ، تحریف اور پروپیگنڈہ پر مبنی ہے۔ ابتدا میں یہ رویہ کتابوں تک محدود تھا اور مغربی تعلیم یافتہ طبقوں میں پایا جاتا تھا، لیکن بعد میں انفارمیشن ٹکنالوجی نے اسے عام کر دیا۔ اس پروپیگنڈہ کے تحت اسلام کو دہشت گردی کا سرچشمہ اور مسلم دنیا کو انتہا پسندی کا مرکز بنا کر پیش کیا گیا اور یہ باور کرانے کی بڑی منظم کوشش کی گئی کہ عالم اسلام میں آزادی، مساوات اور رواداری کی کوئی جگہ نہیں ہے، حالانکہ حقیقت سے آگاہ لوگ جانتے ہیں کہ دنیا کے مختلف خطوں میں پائی جانے والی خرابیوں اور بگاڑ کے پیچھے اکثر عالمی طاقتیں اور ان کے حلیف نظام کارفرما ہیں، جو بھی صہیونیت اور مغربی طاقتوں کی تاریخ کا مطالعہ کرے گا، اس پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی، موجودہ عالمی حالات بھی اسی کی گواہی دیتے ہیں۔

دنیا کے موجودہ بحران کا حل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مظلوم اور دبے ہوئے طبقات کو مکالمے اور مذاکرات کی میز پر واپس نہ لایا جائے، اور انہیں عالمی تہذیب کی تعمیر میں شرکت کی آزادی نہ دی جائے، حقیقی مکالمہ اسی وقت ممکن ہے جب سیاسی، ثقافتی اور معاشی مداخلتوں کا خاتمہ ہو اور گفتگو کھلے ذہن کے ساتھ، تصادم سے دور ہو کر کی جائے۔ ایسی صورت میں دنیا اپنے فطری راستے پر لوٹ آئے گی، خوف و ہراس ختم ہو جائے گا اور امن، محبت، اخوت اور باہمی تعاون کا ماحول قائم ہوگا۔

"إلى نظام عالمي جديد" کتاب کے مصنف مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ نے لکھا ہے کہ: ''مذاکرات دو فریقوں کے درمیان مسائل کے حل اور اختلافات کے خاتمہ کا ایک موثر ذریعہ ہیں، بشرطیکہ اس کا مقصد حقیقی مفاہمت ہو، تاریخ میں بہت سے پیچیدہ مسائل بھی اسی طریقے سے حل ہوئے ہیں جنہوں نے بے گناہ انسانوں کے خون بہائے تھے، اور شدید دشمن بھی باہمی تعاون کرنے والے دوست بن گئے، چین اور امریکہ کے درمیان خفیہ مذاکرات، اور ویتنام کے مسئلے کا پرامن حل، اس کی نمایاں مثالیں ہیں''۔

جب کسی معاملے میں ایک فریق اپنی رائے پر اڑ جائے اور اس پر انا اور برتری کا غلبہ ہو جائے تو تصادم ختم نہیں ہوتا؛ بلکہ بڑھتا جاتا ہے، شک و شبہات میں اضافہ ہوتا ہے--

(باقی صفحہ ۱۹ر پر)

ایک جائزہ

کیا سورج چشمہ میں ڈوب سکتا ہے؟

مولانا سلمان نسیم ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

(سورۂ کہف کی آیت نمبر (۸۶) پر اعتراض اور اس کا جواب)

سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”**حتى إذا بلغ مغرب الشمس وجدها تغرب في عين حمئة ووجد عندها قوما قلنا يا ذا القرنين إما أن تعذب وإما أن تتخذ فيهم حسنا**“ (آیت:۸۶)۔

(یہاں تک کہ جب وہ [ذوالقرنین] غروبِ آفتاب کے موقع پر پہنچے تو اسے [سورج کو] ایک سیاہ چشمہ میں ڈوبتا محسوس کیا، اور اُس [سیاہ چشمے] کے قریب ایک قوم کو [بھی] پایا، ہم نے کہا اے ذوالقرنین [تمہیں اختیار ہے] خواہ انہیں سزا دو، خواہ ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو)۔

پس منظر

قرآن نے سورۂ کہف میں ”ذوالقرنین“ اور اس کے تین سفری مہمات کا تذکرہ کیا ہے، یہ ”ذوالقرنین“ کون تھے؟ قرآن سے صرف اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک دیندار، عادل، رعایا پرور، شان وشوکت والا اور عظیم اسباب ووسائل کا مالک فاتح اور کشور کشا تھے، مذکورہ بالا آیت میں ذوالقرنین کے پہلے سفری مہم کا تذکرہ ہے جس سے صرف یہ اظہار مقصود ہے کہ اُس وقت تک کی دنیائے معلومہ کے مغربی سمت جہاں تک انسان کے قدم پڑ سکتے تھے وہاں تک ذوالقرنین نے فتح کر لیا تھا۔

اعتراض

آیت کا یہ حصہ مرکز اعتراض ہے: [**وجدها تغرب في عين حمئة**] (ذوالقرنین نے سورج کو سیاہ چشمہ میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا)، اعتراض یہ ہے کہ قرآن کا یہ بیان موجودہ سائنسی تحقیق سے متصادم ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

اعتراض کی وجہ

سائنس کے مطابق سورج کا قطر diameter زمین کے قطر سے تقریباً 109 گنا بڑا ہے، اور سورج کا حجم size زمین کے حجم سے تقریباً 13 لاکھ گنا بڑا ہے، یعنی ایک سورج میں تقریباً 13 لاکھ زمین سما سکتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اتنا بڑا سورج ایک چشمہ میں کیسے ڈوب اور سما سکتا ہے؟

اعتراض کے حقیقی اسباب

مذکورہ بالا اعتراض کے پیدا ہونے کے دو بنیادی سبب ہیں:

۱۔ معترضین کا خیال ہے کہ قرآن کریم سائنس کی کسی کتاب کی طرح اس آیت میں کوئی فلکیاتی معلومات یا تحقیق پیش کر رہا ہے، اس لیے اس کو درست معلومات پیش کرنی چاہیے۔

۲۔ اعتراض پیدا ہونے کی دوسری وجہ عربی زبان اور اس کے اسلوب سے معترضین کی عدم واقفیت اور جہالت ہے۔

اعتراض کا جواب: قرآن کریم اصلاً کتابِ ہدایت ہے، اور ہدایت وضلال ہی اس کا مرکزی موضوع ہے، یہ الگ بات ہے کہ قرآن کریم اپنے اصل موضوع پر قائم رہتے ہوئے بھی بہتیرے کائناتی حقائق کو مس کرتا ہے، اور اس میں وہ کبھی غلطی نہیں کرتا، اُنہی مقامات میں سے ایک مقام سورۂ کہف کی مذکورہ بالا آیت بھی ہے، ذیل میں ہم وہ دلائل پیش کرنے کی کوشش کریں گے جن سے ان شاء اللہ بات واضح ہو جائے گی:

آیت کے جس حصہ پر اعتراض ہے خود اسی میں زبان وبیان کے ایسے شواہد موجود ہیں جو اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے کافی ہیں:

۱۔ [وجدها...] (ذوالقرنین نے پایا یا محسوس کیا کہ سورج...) یہاں قرآن کریم فعل کی نسبت اللہ کی طرف نہیں بلکہ ذوالقرنین کی طرف کر رہا ہے؛ یعنی قرآن کریم یہ واضح کر رہا ہے کہ یہاں یہ احساس یا مشاہدہ خدا کی طرف سے بطور سائنسی حقیقت پیش نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ یہ ذوالقرنین کا احساس یا مشاہدہ ہے، جو اگر سائنس سے متصادم بھی ہو تو یہ ایک بشر کے بصری غلطی تو ہو سکتی ہے، نعوذ باللہ رب اور خدا کی غلطی نہیں۔

۲۔ {وَجَدَهَا} میں لفظ ”وجد“ عربی زبان میں خلافِ واقعہ امر کو محسوس کرنے کے لیے بھی مستعمل ہے، قرآن کریم اس لفظ کے استعمال سے یہ جتانا چاہتا ہے کہ ذوالقرنین نے ایک ایسی بات محسوس کی جو بالکل خلافِ واقعہ ہے؛ یعنی اس کو محسوس ہوا کہ گویا کہ سورج ایک چشمہ میں ڈوب رہا ہے یا داخل ہو رہا ہے، جب کہ امر واقعہ برعکس ہے کہ سورج تو چشمہ میں ڈوب ہی نہیں سکتا، محمد صادق الرافعی لکھتے ہیں: (یہاں لفظ {وَجَدَهَا} ہی میں اعجاز کا اصل راز پنہاں ہے۔ کیونکہ آیت سورج کے غروب کی کوئی کائناتی حقیقت بیان نہیں کر رہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس نے سائنس کے برعکس کوئی بات کہہ دی ہے، بلکہ آیت تو صرف ایک مخصوص شخص کے ایک خاص مشاہداتی حالت کی تصویر کشی کر رہی ہے۔ جیسے کوئی کہے:

میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو میں نے ستاروں کو پایا کہ ہر ستارہ شرارہ (چنگاری) کی مانند تھا، ظاہر ہے کہ یہ بات اس کے وجدان اور ذاتی مشاہدہ کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے، نہ کہ خارجی حقیقت کے لحاظ سے۔ اور اگر قرآن اُس زمانے کا انسانی کلام ہوتا تو وہ اُسے ایک قطعی، مسلّم اور طے شدہ حقیقت کے طور پر پیش کرتا اور یوں کہتا: (كَانَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ)، مگر اس نے کہا: {وَجَدَهَا} تاکہ بات کو صرف رؤیتِ بصری اور مشاہدہ تک محدود رکھے، نہ کہ اس کو کائناتی حقیقت بنا کر پیش کرے۔)

[رسائل الرافعي، محمود ابوریہ، ص: ۲۶۲]

۳۔ قرآن نے ذوالقرنین کے مشاہدے یا تاثر کو لفظ {تغرب} سے ادا کیا ہے، جس کا استعمال سورج کے منظرِ عام سے غائب ہونے کے لیے عام ہے، جدید فلکیاتی ادارے بھی یہ لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن اُن پر غلط ہونے یا سائنس کی مخالفت کا الزام نہیں آتا، امریکی خلائی ادارہ NASA کی ویب سائٹ پر سورج کی ایک تصویر کے نیچے درج ذیل عبارت تحریر ہے:

On May 19 ,2005 ,NASA's Mars Exploration Rover Spirit captured this stunning view as the Sun sank below the rim of Gusev crater on Mars.

[۱۹ر مئی 2005 کو NASA کے Rover Spirit (اس خلائی روبوٹ کا نام جسے NASA نے ۲۰۰۳ء میں مریخ کی سطح پر تحقیق کے لیے بھیجا تھا) نے یہ شاندار منظر اُس وقت قید کیا جب سورج مریخ پر موجود (Gusev crater) کے دہانے کے پیچھے غوطہ زن/غروب ہو رہا تھا]۔

https//:share. google/bnVFIEx YPq yteFGMg

کیا کوئی NASA کے اس بیان سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ سورج ٹھیک اسی طرح غوطہ زن ہو رہا تھا جیسے کوئی پانی میں ڈوبتا یا غوطہ زن ہوتا ہے؟ کوئی NASA پر یہ الزام عائد کرنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ اس سے ایک غلطی سرزد ہوئی ہے؟

آیت کے لسانی پہلو کے علاوہ قرآن کا سیاق وسباق بھی اس پر بیّن دلیل ہے کہ یہاں یہ مراد ہرگز نہیں کہ سورج درحقیقت چشمہ میں داخل ہو رہا تھا، درج ذیل شواہد ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ آیت کے جس حصہ پر اعتراض ہے اسی آیت میں معاً بعد بلافصل ارشاد ہے: {ووجد عندها قوما} (...اور ذوالقرنین نے اس چشمہ کے قریب ایک قوم کو [بھی] پایا)۔ سوال یہ ہے کہ اگر ذوالقرنین کا مشاہدہ یہ تھا کہ سورج درحقیقت آسمان سے اتر کر زمین کے ایک سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے یا سمارہا ہے، تو ذرا بھلا بتائیں کہ اس چشمہ کے بالکل آس پاس انسانی آبادی تو کجا کسی طرح کی حیات کا تصور کیسے ممکن ہے؟ اس لیے کہ سورج کی ظاہری سطح (Photosphere) کا درجۂ حرارت تقریباً 5.500 سے 800,5 کیلون (kelvin) یا سینٹی گریڈ کے درمیان ہے، اور سورج کے اندرونی مرکز کا درجۂ حرارت ایک کروڑ پچاس لاکھ (15,000,000) ڈگری سیلسیس یا اس سے زیادہ ہے۔ ماہرین کے مطابق اگر سورج اور زمین کے درمیان موجود اوسط فاصلہ (تقریباً 14 کروڑ 96 لاکھ کلومیٹر) صرف ۱ فیصد اچانک کم ہوجائے تو زمین ''قابلِ رہائش زون'' (Habitable Zone) سے باہر ہوجائے گی، کیونکہ درجۂ حرارت اتنا بڑھ جائے گا کہ سمندر اُبلنے لگیں گے، زمین کی سطح پر پانی بخارات بن کر اُڑ جائے گا، فضا ختم ہو جائے گی، اور زمین (Venus) کی طرح ایک بے آب وگیاہ چٹان بن جائے گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سورج کا زمین پر اترنا تو دور کی بات، اگر قریب بھی آجائے تو ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں زندگی ختم ہوجائے گی، پھر یہ کون سا سورج تھا جو زمین کے ایک چشمہ میں داخل بھی ہو رہا تھا اور اس کے آس پاس انسانی آبادی بھی بس رہی تھی؟ واقعہ یہ ہے کہ یہاں زمین میں کوئی سورج نہیں ڈوب رہا ہے بلکہ ملحدین ومعترضین کی سوچ ڈوب رہی ہے۔

۲۔ لفظ [شمس] قرآن کریم میں ۳۳ مرتبہ آیا ہے، قرآن کریم کے لیے سورج کا مدار ومحور، مرکز، اور آسمان میں اس کا ہمہ وقت موجود رہنا اتنا بدیہی اور متفق علیہ ہے کہ وہ سورج کے طلوع و غروب کا تذکرہ اس کی اصل حالت وکیفیت کے لحاظ سے نہیں، بلکہ انسانی مشاہدے کے مطابق کرتا ہے۔ سورج آسمان میں کبھی بھی طلوع یا غروب نہیں ہوتا، سورج کے طلوع وغروب کا تعلق ہماری آنکھوں اور افق (horizon) سے ہے۔ جب زمین پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں یعنی طلوع ہوتی ہیں تو اس وقت اور اس سمت کو مشرق (طلوع ہونے کی جگہ یا وقت) اور جب زمین سے سورج کی روشنی غائب ہونے لگتی ہے یعنی چھپنے لگتی ہے یا ڈوبنے لگتی ہے، اس وقت یا سمت کو مغرب (ڈوبنے کی جگہ یا وقت) کہا جاتا ہے۔ مشرق و مغرب کی اسی حقیقت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوری قوت کے ساتھ نمرود کے سامنے پیش کیا تھا: [فإن الله يأتي بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب] (بقرة: ۲۵۸) اور اسی حقیقت کو سورۂ کہف ہی میں دوسری جگہ بیان کر دیا گیا ہے: [وترى الشمس اذا طلعت تزاور عن كهفهم ذات اليمين وإذا غربت تقرضهم ذات الشمال] (کہف: ۱۷)۔

اس آیت میں تین نقطے قابلِ لحاظ ہیں:

(۱) مشرق ومغرب کی تعبیر یہاں حتمی طور پر محض سمت اور رخ کی تعیین کے لیے ہے نہ کہ طلوع وغروب کے لیے۔ (۲) غار کے مکینوں کا واسطہ براہِ راست سورج سے نہیں تھا جو کہ آگ یا گیس کا ایک گولہ ہے بلکہ اس کی کرنوں سے تھا، اسی طرح سیاہ چشمہ میں ڈوبتا محسوس ہوتا ہوا سورج حقیقی سورج نہیں تھا بلکہ ایک ظاہری انسانی مشاہدہ تھا۔ (۳) یہاں بھی قرآن نے لفظ [تری] (تم دیکھوگے) کے ذریعہ سورج کی اس سرگرمی کو انسانی مشاہدہ سے مربوط کردیا ہے۔

۳۔ قرآن کریم میں متعدد آیتیں سورج کی مسلسل نقل وحرکت اور گردش پر دلالت کرتی ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: [لا أقسم برب المشارق والمغارب] (المعارج: ۴۰) [پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے خداوند کی کہ ہم قادر ہیں]۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ سورج کا کوئی ایک ہی مخصوص ومتعین مشرق ہے نہ مغرب، بلکہ اس کے متعدد مشرق اور متعدد مغرب ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: [وسخر لكم الشمس والقمر دائبين] (ابراہیم: ۳۳) (...اور سورج اور چاند کو بھی تمہاری نفع رسانی میں لگا دیا، دونوں ایک ہی انداز میں گردش میں ہیں)۔ خداوندِ کریم کا ارشاد ہے: [والشمس تجري لمستقر لها] (یٰس: ۳۸) (...اور سورج اپنے ایک معین مدار پر گردش کرتا ہے)۔ بھلا جس سورج کے بارے میں قرآن کریم خود گواہی دے رہا ہے کہ یہ پوری پابندی کے ساتھ اپنے ایک ہی محور ومدار پر گردش کرتا ہے، مجال نہیں کہ اپنے محور ومدار سے ذرا ہٹ سکے یا سیکنڈ کا بھی فرق پیدا ہوسکے، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہی قرآن یہ نظریہ بھی رکھے کہ سورج اپنے محور ومدار سے ہٹ کر کسی چشمہ میں جا کر ڈوب جاتا ہے، یعنی اپنی گردش کو چھوڑ کر رک جاتا ہے، ٹھہر جاتا ہے۔

علمی اعجاز

[مغرب الشمس] (سورج ڈوبنے کی جگہ یا وقت) کا مصداق کون سا مقام ہے؟ [عین حمئۃ] (سیاہ چشمہ) کہاں واقع ہے؟ بیشتر مفسرین نے قرآنی اسلوب ومنہاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں مقامات کی تعیین سے گریز کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ قرآن کا مقصد کسی خاص جغرافیائی کوآرڈینیٹ (coordinate) کی نشاندہی کے بجائے اللہ کی قدرت وعظمت اور ذوالقرنین کی اہمیت کو پیش کرنا ہے، اور یہ مقصد اس مقام کی تعیین کے بغیر بھی حاصل ہے۔

بعض مفسرین نے اس جگہ کی تعیین کی کوشش کی ہے، چنانچہ کسی نے ''اوخریدا'' (Ochrida) جھیل، تو کسی نے ''بحرِ ایجیین''، تو کسی نے ''بحیرۂ روم'' (Mediterranean Sea) کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ یہ تینوں اگرچہ الگ الگ مقامات ہیں، لیکن بحیرۂ روم سے ان تینوں کا قریب یا بعید کا واسطہ ہے، اس لیے ان تینوں کو ایک ہی زمرہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ ایک دوسری رائے معروف محقق ومصنف عبدالدائم صالح الکحیلی کی ہے کہ یہ جگہ امریکا کی ریاست Hawaii کے جزائر ہیں۔ یہ مقام مذکورہ تینوں مقامات سے الگ ہے، اس لیے کہ یہ بحرۂ روم میں نہیں بلکہ بحرالکاہل میں ہزاروں میل اندر ہے۔ اس رائے کو اہمیت دینے میں دشواری یہ ہے کہ کیا ذوالقرنین اس زمانہ میں اس جگہ تک پہنچنے کے لیے مطلوب ضروری اسباب کا مالک تھا؟ اس کا جواب خود قرآن دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: [إنا مكنا له في الأرض وآتيناه من كل شيء سببا] (کہف: ۸۴) (ہم نے اس کو زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے اسے ہر طرح کا سامان دیا تھا)۔ میرا خیال ہے کہ یہ آیت مذکورہ اشکال کو ختم کردیتی ہے، اور اگر یہ سوال ختم ہو جاتا ہے تو شاید جزائرِ ہوائی [مغرب الشمس] اور [عین حمئۃ] کا سب سے بہترین مصداق ہوسکتے ہیں، جس کی وجہ ذیل میں بیان کی جاتی ہے:

جزائر Hawaii زمین کے مغربی کنارے پر وہ آخری پوائنٹ ہے جہاں خشکی ختم ہو جاتی ہے، اور وہاں سورج اسی طرح غروب ہوتا دکھائی دیتا ہے جس طرح دنیا کے مختلف ملکوں کے ساحلی مقامات میں یہ مشاہدہ عام بات ہے، لیکن یہاں خاص بات یہ ہے کہ کبھی (Hawaii) میں ۱۴۰۰ سے زیادہ آتش فشاں ہوا کرتے تھے جن میں سے سینکڑوں آج بھی فعال ہیں۔ یہاں لاکھوں ٹن لاوا (Lava) روزانہ زمین سے نکلتا ہے جو مسلسل بہتا رہتا ہے، گرم چشمے ابلتے رہتے ہیں۔ غروبِ آفتاب کے وقت سورج کی سرخ کرنیں لاوا کی سرخ روشنی کے ساتھ مل کر ایسا منظر پیدا کرتی ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ سورج اس ابلتے ہوئے چشمے میں غروب ہو رہا ہے۔ یہ منظر دن سے زیادہ عین غروب کے وقت زیادہ واضح ہوتا ہے، اس لیے:

۱۔ یہ قرآن کا ایک اہم علمی اعجاز ہے کہ قرآن نے اس منظر کو اس وقت بالکل درست پیش کیا ہے جب کسی انسان کو اس کی خبر نہیں تھی۔ ذوالقرنین کے تین سفری مہمات میں سے ایک کا رخ زمین کے مشرق میں خشکی اور انسانی آبادی کے اختتام تک تھا، اور دوسرے کا رخ زمین کے مغرب میں خشکی اور انسانی آبادی کے اختتام تک تھا۔ مغرب میں جہاں خشکی ختم ہوتی ہے وہ یہی (Hawaii) ہے، اس کے بعد بحرالکاہل کا وسیع سمندر ہے۔

۲-زمین پر خشکی کے دوسرے آخری کناروں کے مقابلہ میں جزائرِ ہوائی پر [مغرب الشمس] کے انطباق کو ترجیح دینے والی دوسری دلیل آیت میں [عین] (چشمہ) کی صفت [حمئۃ] (سیاہ/گدلا) ہے، جس کی ایک دوسری معروف قراءت [حامیۃ] (گرم/ابلتا ہوا) بھی منقول ہے۔ مفسر طبری نے دونوں کو درست اور بامعنی تسلیم کیا ہے۔ اب اعجاز دیکھیے کہ اوپر ہم نے (Hawaii) کے جن جزائر اور ان کی آتش فشاؤں کا تذکرہ کیا ہے، ان سے جب لاوا کا چشمہ ابلتا ہے تو وہ لاوا شدید گرم ہونے کے ساتھ ساتھ سیاہ رنگ بھی ہوتا ہے۔ بھلا بتائیے کہ اس توضیح کے بعد، آیت کی تفسیر میں (Hawaii) کے جزائر کے آتش فشاں کے علاوہ بھی کوئی تصویر آپ کے ذہن میں آسکتی ہے؟

(https[www.kaheel7.com/ar//:https])

متقدمین مفسرین کی دور بینی

ہمارے مفسرین کرام نے بہت پہلے آیت کی ایسی تفسیر فرمادی تھی جس کے بعد کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔ تفسیر قرطبی (۶۷۱ھ) میں ہے: ''...اس (آیت) سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ ذوالقرنین مغرب اور مشرق کی جانب چلتے ہوئے سورج کے کرہ یا گولے تک جا پہنچے یا اسے چھولیا؛ کیونکہ سورج تو گردش کرتا ہے اور زمین سے پیوست نہیں ہے، نیز وہ اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے کہ زمین کے کسی چشمے میں سما سکے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سورج زمین سے کئی گنا زیادہ بڑا ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ مغرب اور مشرق کی جانب انسانی آبادی کی آخری سرحد تک جا پہنچے، تو وہاں انہوں نے اپنی آنکھوں کے مشاہدے (رائے العین) کے مطابق سورج کو ایک سیاہ چشمے میں غروب ہوتے ہوئے پایا۔ یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے ہم کسی ہموار میدان میں سورج کو دیکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ زمین کے اندر دھنس رہا ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا: 'اس نے سورج کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے پایا جن کے لیے ہم نے سورج کے سامنے کوئی اوٹ نہیں رکھی تھی'۔ یہاں بھی یہ مراد نہیں کہ سورج ان کو چھو رہا تھا یا ان سے مس ہو رہا تھا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ ایسی جگہ آباد تھے جہاں (سب سے پہلے) سورج ان پر طلوع ہوتا تھا''۔

الفاظ کے اختلاف کے ساتھ تقریباً یہی رائے دیگر مفسرین جیسے امام رازی (۶۰۶ھ)، قاضی بیضاوی (۶۸۵ھ)، ابن کثیر (۷۷۴ھ)، اور علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ) کی بھی ہے۔

☆☆☆

بقیہ: اقامت صلوۃ

اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ دور میں ہمارے انتشار کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ نمازوں میں ہماری صفیں سیدھی نہیں ہوتیں، یہ اقامت صلوٰۃ کے منافی ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

''أَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلاَةِ، فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلاَةِ۔''(البخاری، کتاب الأذان، باب اقامۃ الصف: ۷۲۲)

(نماز میں صف کو درست (سیدھا) قائم کرو، اس لیے کہ صف کو درست کرنا نماز کے حسن (خوبصورتی) میں اضافہ کا باعث ہے۔)

حضور اقدس ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ﷺ اس طرح صفوں کو سیدھا فرماتے تھے جیسے نیزہ سیدھا کیا جاتا ہے پھر بھی اگر کوئی شخص صف سے آگے یا پیچھے نظر آتا تو آپ ناراض ہوتے تھے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے:

''كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ حَتَّى رَأَى أَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتَّى كَادَ يُكَبِّرُ فَرَأَى رَجُلاً بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ: عِبَادَ اللهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ۔''(مسلم: ۱۰۰۷)

(رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا کیا کرتے تھے گویا تیروں (یا لکڑی کی سیدھی چھڑیوں) کو برابر کر رہے ہوں، یہاں تک کہ آپ کو یقین ہو جاتا کہ ہم نے آپ سے (یہ حکم) اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ پھر ایک دن آپ باہر تشریف لائے اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے، قریب تھا کہ تکبیر کہتے، یہاں تک کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ کے بندو! تم ضرور اپنی صفوں کو سیدھا کرو، ورنہ اللہ تمہارے چہروں کے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔)

حاصل یہ کہ صفوں کو سیدھا کیا جائے، کاندھے سے کاندھا ملایا جائے اور پیر آگے پیچھے نہ ہوں بلکہ برابر ہوں، تب صف سیدھی ہوتی ہے۔

اس کے بعد جب نماز شروع ہو اور تکبیر تحریمہ ہو جائے تو خیال ہو کہ گویا ہم ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو رہے ہیں، ہم اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہیں، تکبیر تحریمہ کے لیے دونوں ہاتھ جس طرح اٹھائے جاتے ہیں' یہ ایک علامت ہے کہ آدمی ہاتھ اٹھا کر یہ تصور کرے کہ جو کچھ بھی ہے ہم اس کو پس پشت ڈالتے ہیں، پھر جب ہاتھ باندھے تو یہ تصور ہوا کہ اب ہم اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

☆☆☆

عشق ربانی

حج بندگی اور وارفتگی کا سفر

مولانا محمد سمعان خلیفہ ندوی (استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل)

حجاج کے قافلے طواف و زیارت کی خواہش لیے کچھ تو روانہ ہو چکے ہیں اور کچھ ابھی پا بہ رکاب ہیں، ایک ایسے مقام کی طرف کہ دل جس کے شیدائی اور روحیں جس کی تمنائی ہیں، مدتوں ارمان جس کے لیے مچلتے ہیں اور آنکھیں جس کے لیے بے قرار اور اشک بار ہو جاتی ہیں۔

جہاں پہنچنے کے لیے مال خرچ کیا جاتا ہے اور دنیا کے ہر گوشے سے خوابوں کا، خیالوں کا، جذبوں کا سفر جس کے لیے کیا جاتا ہے، دیوانہ وار جس کے لیے حاضری دی جاتی ہے، جہاں نہ امیر و غریب کا فرق رہتا ہے اور نہ طاقت ور و کمزور کا؛ سب ایک جیسے اور سب ایک رب کے سامنے جھکے ہوئے۔

یہ اللہ کا مقدس گھر، بیت اللہ الحرام ہے، جہاں اسلام کے عظیم رکن حج کی عبادت ادا کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔

"اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے، جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔" (سورۂ آل عمران: ۹۷)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔"

پوچھا گیا: پھر کون سا؟ فرمایا: "اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔"

پھر پوچھا گیا: اس کے بعد؟ فرمایا: "حجِ مبرور (مقبول)۔" (متفق علیہ)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، اور حجِ مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔" (صحیح مسلم)

حج کے ذریعے دنیا و آخرت دونوں کا نفع ہوتا ہے؛ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حج اور عمرہ مسلسل کرتے رہو، کیوں کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔" (ترمذی)

حج کی ایک خاص برکت یہ بھی ہے کہ حج کرنے والے پر شیطان کا اثر کمزور پڑ جاتا ہے، اور جس کا حج صحیح اور قبول ہو جائے، اس کی پوری زندگی سنور جاتی ہے۔ اس کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ حج کے بعد اس کی حالت پہلے سے بہتر ہو جاتی ہے۔

یہ ایک عام سفر نہیں بلکہ نئی زندگی کی تمہید ہے اور گناہوں سے پاکیزگی اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے حج کیا اور اس دوران میں نہ بے حیائی کی، نہ گناہ کیے، وہ اس دن کی طرح لوٹتا ہے گویا آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہو۔" (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یومِ عرفہ سے بڑھ کر کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ زیادہ لوگوں کو جہنم سے اس قدر آزاد کرتا ہو۔ اللہ اپنے بندوں کے قریب ہوتا ہے اور فرشتوں کے سامنے ان پر فخر فرماتا ہے اور کہتا ہے: یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟" (مسلم)

حج میں بہت سی ایسی عبادتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

سب سے پہلے اس میں اللہ کی خالص بندگی ہے، اور یہی اخلاص ہر عبادت کی روح اور بندگی کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ وہی عبادت قبول کرتا ہے جو صرف اسی کی رضا کے لیے انجام دی جائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی سے دعائیں کرنا، اسی سے مدد مانگنا، اسی سے رزق طلب کرنا، گناہوں کی معافی اور حاجات پوری ہونے کی امید رکھنا بھی حج کی اداؤں میں شامل ہے۔

حضرت جابرؓ حجۃ الوداع کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ پڑھا:

"لبیک اللهم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، إن الحمد والنعمة لک والملك، لا شریک لک۔"

یہ تلبیہ دراصل توحید کا اعلان ہے اور اس بات کا اقرار ہے کہ بندگی خالص اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی۔

حج کا آغاز بھی توحید سے ہوتا ہے اور اختتام بھی اللہ کے ذکر اور توحید پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا . . .

(البقرہ: ۲۰۲-۲۰۰)

(پھر جب تم اپنے حج کے اعمال مکمل کر لو تو اللہ کا ذکر کرو جیسے (اب تک) اپنے آباء کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر)

حج میں بھرپور اطاعتِ رسول بھی ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اپنے حج کے طریقے مجھ سے سیکھ لو، شاید اس سال کے بعد میری تم سے ملاقات نہ ہو پائے۔'' (صحیح مسلم)

حج میں بندہ کثرتِ ذکر، تلاوتِ قرآن، عاجزی وانکساری، اور دنیا وآخرت کی بھلائیوں کے لیے مختلف دعاؤں کے ذریعے اپنے ربِ ذوالجلال کی عظمت کا اظہار بھی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ، لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ﴾۔

''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، وہ تمھارے پاس پیدل اور دبلے اونٹوں پر دور دراز راستوں سے آئیں گے، تاکہ اپنے فائدے حاصل کریں اور مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔'' (الحج: ۲۷-۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سب سے بہتر دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے، اور سب سے بہتر کلمات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہے وہ یہ ہیں: **لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير۔**'' (ترمذی)

حج عاشقانہ اداؤں کا نام ہے، حاجی احرام باندھ کر دنیاوی علائق سے آزاد ہو جاتا ہے اور اپنے محبوبِ حقیقی کی خوشی کے لیے اور اس کو پانے کے لیے سفر کرتا ہے، اور طواف وسعی، وقوفِ عرفات ورمیِ جمرات، قیامِ منیٰ ومزدلفہ، سب کچھ بجا لاتا ہے ایک عالمِ وارفتگی میں اور ایک شوقِ جاں نثاری وجاں فشانی کے ساتھ، زبان پر لبیک کا ترانہ، ادائیں مستانہ اور دل جنونِ شوق کے عالم میں وصالِ محبوب کے لیے دیوانہ۔ ایک دنیا بے قرار، ایک عالم اشک بار اور ایک کائنات ادائے مراسمِ محبت کے لیے پروانہ وار جاں نثار۔

اسلام کے اس بنیادی فریضے کی ادائیگی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبِ استطاعت لوگوں کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ جلد از جلد فرض حج ادا کریں، اس سے پہلے کہ کوئی ایسی مجبوری پیش آ جائے جو انھیں حج سے روک دے؛ کیوں کہ کبھی انسان بیمار ہو جاتا ہے، کبھی محتاج ہو جاتا ہے، اور کبھی ایسی ضرورتیں پیش آ جاتی ہیں جو سفرِ حج میں مانع بن جاتی ہیں۔

اور یہ عام مشاہدہ ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو کل تک تندرست تھے، آج صاحبِ فراش ہو گئے۔ کتنے ہی مال دار تھے، آج پیسے پیسے کو ترس گئے، اور کتنے ہی لوگ ہیں جو کل تک بقیدِ حیات تھے مگر آج آسودۂ خاک ہو گئے۔

ان لوگوں کے لیے جو استطاعت کے باوجود بیت اللہ نہیں جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بڑی عبرت رکھتی ہے:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے جس بندے کو صحت دی، اس کی روزی کشادہ کی، پھر بھی پانچ سال گزر جائیں اور وہ میرے گھر نہ آئے، تو وہ بڑا محروم ہے۔'' (ابن حبان، بیہقی)

البتہ جو لوگ ابھی حج کی استطاعت نہیں رکھتے، انھیں چاہیے کہ سچے دل سے اللہ سے رجوع کریں، بیت اللہ کی حاضری کی تڑپ اپنے دل میں زندہ رکھیں اور اس کے لیے کوشش اور دعا کرتے رہیں، دنیا کی مشغولیات میں پڑ کر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں، ایک دن زندگی کو ختم ہونا اور سانسوں کو رک جانا ہے، کام صرف نیک اعمال ہی آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دربار میں حاضری اور حج کی سعادت نصیب فرمائے، ہر طرح کے خیر کے دروازے ہمارے لیے کھول دے اور ہر طرح کے شر سے دنیا وآخرت میں ہماری حفاظت فرمائے، آمین۔

☆☆☆

بقیہ: مذاکرات مسائل کے حل

دوریاں اور نفرتیں گہری ہوتی ہیں اور حالات بگڑتے بگڑتے عالمی جنگ کی صورت اختیار کر سکتے ہیں جیسا کہ آج کے حالات اس کی جھلک پیش کر رہے ہیں۔

آج دنیا ایک نہایت نازک مرحلے سے گزر رہی ہے، جنگیں، خونریزی، ظلم اور استحصال عام ہو چکا ہے، اور بڑی طاقتوں کی پشت پناہی سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خیر وشر اور بھلائی وبرائی میں تمیز کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے، انسانی ضمیر مردہ ہو گیا ہے اور عقلوں پر پردہ پڑ چکا ہے، ایسے حالات میں امن وسلامتی کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ جنگ اور خونریزی کے بجائے مکالمہ اختیار کیا جائے، ایک غیر جانب دار، منصف عالمی طاقت وجود میں آئے جو ظالم کو ظلم سے روکے اور مظلوم کی مدد کرے اور عالمی تنازعات کو انصاف اور اصول کی بنیاد پر حل کرے۔

مذاکرات اور مکالمہ صرف ایک ذریعہ نہیں بلکہ انسانی بقا کی ضرورت ہے، اگر نیت درست ہو، ماحول سازگار ہو اور مقصد انسانیت کی بھلائی ہو، تو یہی مذاکرات دنیا کو تصادم سے نکال کر امن وسلامتی کی راہ پر ڈال سکتے ہیں، اور اگر انا، مفاد پرستی اور غلبہ کی خواہش غالب رہے، تو پھر انسانیت کا مقدر بدامنی، تباہی اور انتشار ہی ہوگا۔

☆☆☆

دین وشریعت

قوامیت اور صنفی مساوات

ایک عقلی و تنقیدی جائزہ

مولانا منور سلطان ندوی (رفیق مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء)

اسلام نے خاندانی نظام کی سربراہی کے لئے مرد کی قوامیت (سربراہی) کا تصور پیش کیا ہے، اس تصور پر مختلف فکری حلقوں کی جانب سے اعتراضات کئے جاتے ہیں، اس تحریر میں ان اعتراجات کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

فیمینزم مفکرین کی آراء کا خلاصہ

۱-سب سے اہم اعتراض یہ ہے کہ عورت پر مرد کو یک گونہ برتری کیوں دی گئی، یعنی درجہ بندی پر اعتراض ہے، دلیل یہ دی جاتی ہے کہ مرد وعورت دونوں برابر ہیں، کیونکہ دونوں اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں، دونوں میں کسی ایک کو فوقیت دینا دراصل ایک کو دوسرے پر لیڈر بنانا ہے، جدید فیمینسٹ اور خاص طور پر لبرل فکر وفلسفہ کے حامل مفکرین اسی فکر کے قائل اور داعی ہیں، ان میں simone de Beauvoir، Judith Butler، John Stuart Mill, Mary Wollstonecraft, bell hooks قابل ذکر ہیں، سائمن اپنی کتاب The Second Sex میں لکھتی ہیں کہ مرد کو معیار (standard) اور عورت کو "دوسرا" (Other) بنایا گیا، اس طرح عورت کو کم تر حیثیت دی گئی۔

۲-دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قوامیت دراصل پدرشاہی نظام کو جواز فراہم کرتی ہے، مرد کو فیصلہ ساز قرار دیا جاتا ہے، جس سے عورت مرد کی تابع بن جاتی ہے، یہ زاویہ Judith Butler جیسے مفکرین میں نمایاں ہے۔

مشہور فیمینسٹ Mary Wollstonecraft اپنی کتاب A Vindication of the Rights of Woman میں عورتوں کے لیے برابر تعلیم اور مواقع کی وکالت کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ مرد کی بالادستی عقل کے خلاف ہے۔

John Stuart Mill اپنی کتاب The Subjection of Women میں مرد کی قانونی و سماجی برتری کی سخت مخالفت کرتے ہیں، ان کے مطابق ہر قسم کی درجہ بندی ختم ہونی چاہیے۔

Bell Hooks کی رائے ہے کہ مردانہ اقتدار ایک ظلم پر مبنی نظام ہے۔

۳-تیسرا اعتراض یہ ہے کہ قوامیت کے نام سے عورتوں پر ظلم اور جبر ہوتا ہے گھریلو تشدد کو راہ ملتی ہے۔

۴-اقوام متحدہ صنفی مساوات کی وکالت کرتا ہے، ان کے مطابق قانون میں صنفی بنیاد پر امتیاز برتنا غلط ہے، مرد کو خاندان کا سربراہ ماننا صنف کی بنیاد پر امتیاز برتنا ہے، مساوات کا مطلب اختیار اور حقوق دونوں میں برابری ہے۔

۶-ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ہر فرد کو مکمل ہونا چاہیے، شادی کے بعد بھی کوئی کسی کے تابع نہ ہو، لہٰذا قوامیت فرد کی آزادی کے خلاف ہے۔

اس طرح کے اور بھی اعتراضات ہیں جو قوامیت کے تصور پر کئے جاتے ہیں۔ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد وعورت کے درمیان مکمل مساوات ہونا چاہئے، مرد کی برتری کا مطلب عورت کو مرد کے تابع بنانا ہے، اگر مرد کو فیصلہ کا اختیار دیا جائے تو عورت پر ظلم ہوگا۔

کیا مرد وعورت دونوں مکمل برابر ہیں

اسلام اور عقل دونوں اس پر متفق ہیں کہ مرد وعورت دونوں انسان ہیں، دونوں کی عزت، جان، مال، اور شخصیت محترم ہے، دونوں اخلاقی و دینی ذمہ داریوں کے مکلف ہیں، لیکن اس یکسانیت کے باوجود دونوں مکمل یکساں نہیں ہیں، انسانی عقل کو اس بات کا اعتراف ہے کہ متعدد پہلو ایسے ہیں جہاں دونوں ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہیں۔

سائنسی اعتبار سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ مرد اور عورت دونوں میں حیاتیاتی و جینیاتی فرق پایا جاتا ہے، یہی فرق جسمانی ساخت اور ہارمونز کو متاثر کرتا ہے۔

یہ بات بھی مشاہدہ میں ہے کہ مرد وعورت میں جسمانی فرق ہوتا ہے، اسی طرح یہ بات بھی محقق ہوچکی ہے کہ مرد وعورت کے درمیان دماغی و اعصابی فرق پایا جاتا ہے۔

کیمبرج یونیورسیٹی کے پروفیسر Simon Baron-Cohen اپنی معروف کتاب The Essential Difference میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ عورت کا دماغ زیادہ تر ہمدردی کی طرف مائل ہوتا ہے، جبکہ مرد کا دماغ نظام سازی کی طرف، ان کے اس نظریہ سے اختلاف بھی کیا گیا ہے۔

سب سے بڑا فرق بنیادی فرق تولیدی کردار میں ہوتا ہے، عورت حمل وولادت کے مراحل سے گزرتی ہے، جبکہ مرد پر اس طرح کی کوئی ذمہ داریاں نہیں ہیں، اس فرق کا اثر سماجی کرداروں

پر بھی پڑتا ہے۔اس طرح متعدد پہلوؤں سے دونوں میں واضح فرق پایا جاتا ہے،لہذا دونوں میں اتنے اختلاف کے باوجود مکمل یکساں قرار دینا عقل کے خلاف ہے۔

کیا ہر درجہ بندی ظلم پر مبنی ہوتی ہے؟

اس دنیا میں بے شمار ایسے رشتہ ہیں جہاں درجہ بندی پائی جاتی ہے،مثلا استاذ اور شاگرد،ٹیم کا کپتان اور دیگر ممبران،جج اور شہری،والدین اور بچے،ان رشتوں میں درجہ بندی کو عام فہم کے مطابق نہ کوئی برا سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی اسے عقل کے خلاف قرار دیتا ہے،کیونکہ یہ نظم وضبط کے لئے ناگزیر ہے،اس کے بغیر کوئی اجتماعی نظام مستحکم نہیں ہوسکتا۔

یہاں یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جہاں اختیار ہوگا تو لازما ظلم بھی ہوگا،حالانکہ یہ دعوی حقائق کے خلاف ہے،نظام چلانے کے لئے اختیار ضروری ہے،ہاں ظلم تب ہوتا ہے جب اختیار کا غلط استعمال کیا جاتا ہے یا وہ اختیار جواب دہی سے خالی ہوتا ہے،لہذا محض درجہ بندی کو ظلم دینا درست نہیں ہے۔

مساوات یا عدل

جدید فلسفہ،قانون اور سماجی علوم میں یہ بحث ملتی ہے کہ مساوات بہتر ہے یا عدل وانصاف، یعنی دو افراد یا گروپ کو بالکل یکساں حیثیت دینا بہتر ہے یا دونوں کو ان کی فطرت اور مزاج کے مطابق حیثیت دینا بہتر ہے۔

مشہور فلسفی John Rawls نے اپنی کتاب A Theory of Justice میں ''justice as fairness'' کا تصور پیش کیا ہے،ان کے مطابق سب کو ایک جیسا دینا کافی نہیں بلکہ وسائل اس طرح تقسیم ہوں کہ کمزور کو فائدہ ہو۔

اکثر فیمینسٹ مفکرین یکسانیت پر زور دیتے ہیں،لیکن متعدد ایسے جدید مفکرین بھی ہیں جو ہر فرد کو اس کے مطابق دئے جانے کو جائز قرار دیتے ہیں،یعنی عورت کی مخصوص نفسیاتی کیفیت کا خیال رکھنا عقل انسانی کے مطابق ہے۔

امریکی فلسفی Martha Nussbaum نے Capabilities Approach کا تصور پیش کیا ہے،ان کے اس تصور کے مطابق انصاف کا مطلب سب کو ایک جیسا دینا نہیں، بلکہ ہر انسان کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ باوقار اور بااختیار زندگی گزار سکے۔

امریکی فیمنسٹ سماجی وسیاسی مفکر Iris Marion Young نے Justice and the Politics of Difference کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے،ان کے مطابق سب کے ساتھ ایک طرح کا معاملہ کرنا ہمیشہ انصاف نہیں ہوتا، بلکہ مختلف گروہوں کی ضروریات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

امریکی مفکر Nacy Fraser معروف فیمینسٹ فلسفی ہیں،انہوں نے Redistribution vs Recognition کا نظریہ پیش کیا،ان کے مطابق انصاف برابری کا نام نہیں ہے، بلکہ انصاف کے لئے معاشی تقسیم اور سماجی شناخت دونوں ضروری ہیں۔

اس مسئلہ کو اگر قانون کے پس منظر میں دیکھیں تو ملکی قانون میں مختلف طبقات مثلا دلت،آدی باسی،خواتین کے لئے ریزوریشن کا نظام ہے، متعدد معاملات میں بچوں اور معذوروں کے لئے الگ قوانین ہیں۔

اقوام متحدہ کی جانب سے منظور شدہ بین الاقوامی عالمی چارٹر برائے خواتین میں بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ خواتین کے لئے خصوصی اقدامات کرنا امتیاز نہیں انصاف ہے۔

خاندان میں سربراہ کی ضرورت

دنیا کا عام مزاج یہ ہے کہ کسی بھی گروپ، جماعت،ادارہ یا ریاست کا ایک سربراہ ہوتا ہے، جو فیصلہ ساز ہوتا ہے،تمام کاموں کی نگرانی کرتا ہے،کاموں کی جہت اور سمت کو متعین کرتا ہے،اور وہی تمام کاموں کا جوابدہ بھی ہوتا ہے،ہر ادارہ کے لئے سربراہ کا ہونا ایک عقلی اور انتظامی ضرورت ہے،خاندان بھی ایک چھوٹی سماجی یونٹ ہے،ہر اجتماعی نظام کی طرح خاندان میں بھی اختلاف ہوتا ہے،شوہر بیوی کے رجحانات الگ الگ ہوتے ہیں،جس کی وجہ سے گھریلو نظام میں ٹکراؤ ایک فطری معاملہ ہے،اب اگر گھریلو نظام کو چلانے کے لئے کوئی فیصلہ ساز نہ ہوتو گھر کا نظام نہیں چل سکتا،اسی طرح گھر کے تمام افراد یا خاص طور پر شوہر وبیوی دونوں کو یکساں اختیارات دے دیے جائیں تب بھی گھر کا نظام نہیں چل سکتا ہے،کیونکہ انسانی قدر میں یکسانیت تو ہوسکتی ہے،مگر کردار اور اختیار میں برابری مشکل ہے،عملی نظام میں کسی ایک کی سربراہی ضروری ہے۔

مرد کی سربراہی عورت کے لئے پریشان کن کیوں؟

مرد کی سربراہی عورت کے لئے کسی بھی پہلو سے باعث توہین نہیں بلکہ یہ اس کے لئے باعث اعزاز ہے،اس صنف کو اتنا خاص بنایا گیا کہ اس پر کوئی ذمہ داری نہیں دی گئی،اوراس کی تمام ذمہ داری مرد کے سپرد کردی گئی،عورت کے لئے ذلت کی بات تب ہوتی جب اس کے حقوق سلب کر لئے جاتے،سارا اختیار مرد کو دے دیا جاتا،یا عورت کو کمتر سمجھا جاتا،یہاں تو عورت کی انسانی قدر برقرار ہے،اس کی عزت پوری طرح محفوظ ہے،اور خاندان کے نظام میں اس کی رائے کو اہمیت حاصل ہے۔

اگر اصول یہ ہے کہ ہر سربراہی دوسرے کے لئے ذلت کا باعث ہے تو کمپنیوں، اداروں، اور ریاستوں کے نظام میں ہر سربراہ اپنے متعلقین کے لئے ذلت کا باعث ہوتا، جبکہ ایسا نہیں ہے، سربراہی ایک تنظیمی ضرورت ہے، یہ ذلت اس وقت بنتی ہے جب دوسروں کے حقوق کو غصب کیا جائے، عزت مجروح کی جائے، اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو ستاتا ہے، اس کی رائے کو نظرانداز کرتا ہے، یا اس پر زیادتی کرتا ہے تو یہ قوامیت نہیں ظلم ہے، دنیا کا کوئی بھی نظام قیادت کے بغیر نہیں چل سکتا تو پھر خاندان کے نظام کے لئے قیادت وسربراہی پر سوال نہیں ہونا چاہئے۔

قوامیت پر اعتراض اس وقت صحیح ہوتا جب مرد کو مکمل بااختیار قرار دیا گیا ہوتا، اسلام میں مرد کو محدود، مشروط اور ذمہ داری پر مبنی اختیار حاصل ہے، اسی کے برعکس عورت کی اپنی مستقل حیثیت ہے، وہ اپنی رائے رکھتی ہے، اپنی ملکیت رکھتی ہے، اس طرح دیکھیں تو عورت کہیں سے بھی تابع نہیں ہوتی، مرد باہر کی ذمہ داری انجام دیتا ہے، اور عورت اندرون خانہ گھر کے نظم وانتظام، بچوں کی تربیت کی عظیم ذمہ داری ادا کرتی ہے، اس طرح وہ بھی خاندان کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔

مرد وعورت دونوں کو یکساں حیثیت دینا ممکن ہے؟

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا مرد و عورت دونوں کو یکساں اختیار دینا عملاً ممکن ہے؟ اگر دونوں کو برابر درجہ کا اختیار دیا جائے تو گھریلو اختلاف کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ یا تو دونوں اپنی اپنی رائے پر قائم رہیں گے، یا دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے گی، پہلی صورت میں اختلاف کبھی دور نہیں ہوسکتا ہے، جبکہ دوسری صورت میں اختلاف ختم ہوسکتا ہے۔

کیا ہر فرد مکمل ہوتا ہے؟

فیمنسٹ مفکرین عموماً عورت کو ایک مکمل فرد کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، اسی لئے انہیں عورت کا مرد کے تابع بننا بہت ناگوار گزرتا ہے، اصل حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان فطرتاً سماجی ہوتا ہے، کوئی بھی فرد مکمل اور خود کفیل نہیں ہوسکتا، یہ انسان فطرت کے خلاف ہے، جتنی ضرورت ایک مرد کو ایک عورت کی ہوتی ہے، اتنی ہی ضرورت ایک عورت کو کسی مرد کی ہوتی ہے، دونوں الگ الگ ہوکر بھی ایک دوسرے کے لئے ضروری ہیں، اور جہاں تک بات شادی کی ہے تو شادی صرف جذباتی تعلق کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مکمل نظام ہے، جہاں دونوں کو ایک دوسرے کی بات ماننی پڑتی ہے، ایک دوسرے کا لحاظ کرنا پڑتا ہے، اس کے بغیر ازدواجی زندگی آگے نہیں بڑھ سکتی ہے، عورت کو ایک مکمل فرد کے بجائے خاندانی نظام کے ایک اہم کردار کی شکل میں دیکھا جائے تو عورت کے تابع ہونے کی بات کی بڑی بے وزن نظر آئے گی۔

قوامیت کا غلط استعمال

یہ بات کہ مرد قوامیت کا غلط استعمال کرتا ہے، اور اس کی وجہ سے عورتوں پر ظلم وزیادتی ہوتی ہے، یہ ایک معاشرتی صورت حال کا اظہار ضرور ہے، مگر اصولی طور پر اسے درست کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اصولی بات یہ ہے کہ کسی چیز کا غلط استعمال اس کے اصل جواز کو ختم نہیں کرتا، مثلاً قانون کا غلط استعمال ہونے سے اس قانون کا غلط ہونا ثابت نہیں ہوتا، آزادی کا غلط استعمال ہونے سے آزادی کو ختم نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ غلط استعمال کو روکنے کی تدبیر کی جاتی ہے، دنیا کا عام اصول یہی ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو غلط استعمال صرف قوامیت کے ساتھ خاص نہیں ہے، یہ ایک سماجی مسئلہ ہے جو ہر نظام میں ممکن ہے، اس کو روکنے کی شکل یہ نہیں ہے کہ اس نظام کو ہی ختم کردیا جائے بلکہ اس کی بہتر تدبیر ہے کہ شعور کو بیدار کیا جائے، دین کے صحیح فہم کی کمی اور اخلاقی تربیت نہ ہونے وجہ سے زیادتی کے واقعات پیش آتے ہیں، شریعت میں اس سلسلے میں واضح ہدایات موجود ہیں، اسلام میں عورت کی عزت، ان کی حقوق، اور اس حوالے سے مرد، خاندان کے بزرگ اور سماج کی جو ذمہ داریاں طے کی گئی ہیں، ان کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ کس طرح اسلام میں عورتوں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے، اور اس سلسلے میں کتنا زور دیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں مرد وعورت دونوں کو انسانی قدر میں برابر رکھا گیا ہے، مگر ان کے کردار کو ان کے مزاج اور نفسیات کے لحاظ سے الگ الگ رکھا گیا ہے، مرد وعورت دونوں ایک دوسرے کے لئے تکمیل کی حیثیت رکھتے ہیں، دونوں کے جہاں حقوق واضح ہیں وہیں دونوں کے فرائض بھی متعین ہیں، ایک محدود دائرہ میں دونوں آزاد و خودمختار ہیں، خاندانی نظام کی سربراہی کو مرد کو دی گئی ہے، یہ برتری نہیں بلکہ ذمہ داری ہے، مرد عورت کا لحاظ کریں اور عورت مرد کا خیال رکھے تو خاندانی نظام بہتر انداز میں جاری رہے گا، اور دونوں اپنی اصل ذمہ داری یعنی بچوں کی کفالت اور بچوں کی تربیت کے معاملہ کو بہتر انداز میں ادا کرپائیں گے، اور تبھی ایک خوش حال خاندان وجود میں آئے گا۔

☆☆☆

سنت براھیمی

قربانی اور اس کے حقیقی تقاضے

مولانا محمد مستقیم ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

قربانی بڑا وسیع اور کشادہ لفظ ہے، جو پوری زندگی پر محیط اور ہر شعبے پر حاوی ہے۔ قربانی کا نام آتا ہے تو تقدس کا احساس ہوتا ہے، اور ذہن میں تسلیم و رضا، وفاداری اور جانثاری، جدوجہد، جفاکشی اور جانفشانی جیسے الفاظ گردش کرنے لگتے ہیں، جو اس کے پہلو میں موجزن ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ سب سے بڑا ظلم اور ناانصافی یہ ہوئی کہ اسے ایک عبادت کے ساتھ خاص کر دیا گیا، جس کی وجہ سے اس کے معنی محدود اور اس کی وسعت تنگ ہوگئی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قربانی کا تصور عام زندگی سے نکل گیا، اور انسان کی تمام سعی وجدوجہد قربانی کی روح سے خالی ہوتی چلی گئی۔

قربانی ایک انقلابی لفظ ہے، جس سے ہواؤں کا رخ، زمانے میں انقلاب، زندگی میں تبدیلیاں اور سوچ میں بدلاؤ آتا ہے۔ عروج وزوال کی داستانیں اور زندگی کی سرگرمیاں اسی سے انجام پاتی ہیں۔

قربانی کا واقعہ اس انقلاب کی سب سے اہم کڑی ہے، جس نے انسان کی سوچ کی اصلاح کی اور زندگی کی سمت متعین کی، جس کی دنیا منتظر تھی اور وقت اس بات کا تقاضا کر رہا تھا، جس کے بغیر نہ اس کی معراج ہوسکتی تھی اور نہ اس کا مقصد پورا ہوسکتا تھا۔

لیکن یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا جسے آسانی سے انجام دیا جاسکے۔ کتنے اہلِ دل، وفاشعار عاشق اور دیوانے اس راہ کی خاک چھانتے رہے اور عمریں کھپا دیں، لیکن ان کی ساری قربانیاں ایک زمانے اور ایک وقت کے ساتھ خاص تھیں۔

ضرورت ایسے اہلِ دل، وفاشعار عاشق اور دیوانے کی تھی جس کی قربانی اور جانثاری زمان و مکان میں محدود نہ ہو، جس کی امامت مسلم ہو اور وہ سب کے نزدیک قابلِ احترام اور قابلِ تقلید ہو۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس قربانی کا جو کردار ہے وہ ایک خواب سے شروع ہوتا ہے، جس قصے کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

”فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ“۔ (سورۃ الصافات: ۱۰۲)

ترجمہ: ”پھر جب وہ لڑکا اس کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو (ابراہیم نے) کہا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، اب تم غور کرو تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: اے میرے ابّا! آپ وہی کیجیے جس کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے، آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔“

یہ عشق اور جانثاری کا سب سے اعلیٰ امتحان ہے، جہاں پہاڑ کے دل چھوٹ جائیں، عشق کے بھرم کھل جائیں، محبت کے گلشن میں خاک اڑنے لگے اور محبت کے دعویدار راستہ چھوڑ دیں۔ لیکن یہ خلیل کا قلبِ سلیم تھا، جو محبتِ الٰہی کے لیے مخصوص تھا، جن کی نگاہ سے زمان ومکان کے پردے ہٹ چکے تھے، جو خواب نہیں بلکہ حقیقت سے روبرو تھے، جہاں نہ عقل کی رسائی تھی نہ ریب کا گزر۔

چنانچہ خلیل نے اخلاص ومحبت، وفاداری و جانثاری کی جو مثال پیش کی، ان کے اس عمل کو ایمان کی کسوٹی اور عشق کی انتہا قرار دیا گیا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: ”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ“ (الممتحنہ: ۴)

ترجمہ: بے شک تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔

اس در پر سر جھکائے بغیر نہ عبودیت مکمل ہوسکتی ہے اور نہ اس چشمۂ حیواں سے لب لگائے بغیر عشق سیراب ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد موحدین، مخلصین اور عاشقین اس نقشِ قدم پر چلتے رہے اور اس کی ایک ایک ادا کی نقل کرتے رہے۔ یہ اخلاص اور سچا عشق تھا جس نے ایک جانور کو شعائر اللہ کے درجے تک پہنچا دیا۔

ارشاد ہے: ”وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ“ (الحج: ۳۶)

ترجمہ: اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا ہے۔

یہ وہ کردار ہے جو ہر مشکل سے نمٹنے اور اپنی دنیا پیدا کرنے کی ہدایت دیتا ہے، جسے نہ صرف مذہبی نقطۂ نظر سے سمجھا جاسکتا ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ سید الانبیاء ﷺ کی نگاہِ بصیرت اسی سنت پر عمل پیرا ہے اور امت کو اس کی تلقین کرتی نظر آتی ہے۔

صحابہ نے حضور سے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: اس میں ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی۔

(باقی صفحہ ۲۶ رپر)

تعمیر انسانیت

اسلام اور بنتِ حوا

محمد جاوید اختر ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

عورت خالق کائنات کا ایک بہترین تحفہ ہے، اگر اللہ کی طرف سے یہ تحفہ بیٹی کی صورت میں ملا ہے تو نعمت ہے، اگر ماں کی صورت میں ملا ہے تو اس کے قدموں تلے جنت ہے اور اگر بیوی کی صورت میں ملا ہے تو زندگی کا بہترین ساتھی ہے، اگر بہن کی صورت میں ملا ہے تو وہ جنت کا پھول ہے، اسلام نے عورت کو جو مقام و مرتبہ دیا، دنیا کا کوئی بھی مذہب اس طرح کا رتبہ نہیں دیتا۔

ایک سفر میں حضرت انجشہ کو تیز اونٹ چلاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: ''دیکھنا یہ آبگینیں ہیں ذرا آہستہ چلو''، اس اونٹنی پر عورتیں سوار تھیں، آپؐ نے ایک اور حدیث میں فرمایا کہ: ''عورتیں مردوں کی بہنیں اور دوسرا حصہ ہیں''، لیکن آج اس بات پہ تعجب ہوتا ہے کہ بعض لوگ اسلام کو عورتوں کے حقوق کا غاصب قرار دیتے ہیں، ذرا انہیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اسلام کے علاوہ کوئی اور دوسرا مذہب ہے جس نے اچھی بیوی کو آدھا ایمان قرار دیا ہو؟ جس نے بیواؤں کو عزت کے منصب پہ بٹھایا ہو؟ جس نے عورت کے حسن و جمال کو نہیں بلکہ عورت ہونے کا قابلِ احترام ٹھہرایا ہو؟

یاد رکھیے! عورت کی نمایاں حیثیتیں چار ہیں: بیٹی ہونے کی حیثیت، بیوی ہونے کی حیثیت، ماں ہونے کی حیثیت، بہن ہونے کی حیثیت ان چاروں حیثیتوں کے اعتبار سے جو عظمت و عزت اور محبت اسلام نے عورت کو دی ہے دنیا کے کسی قانون اور مذہب نے نہیں دی ہے۔

بیٹیوں کے ساتھ زمانۂ جاہلیت میں جو سلوک روا رکھا جاتا تھا، قرآن مجید اس کے بارے میں صاف صاف یوں کہتا ہے:

''اور جب گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی''۔ [سورۃ التکویر]

قیامت کے دن زندہ دفن کی جانے والی بچی سے پوچھا جائے گا تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا تھا؟ کیا تو نے کسی کو ستایا تھا؟ کسی کا خون بہایا تھا؟ کسی کا دل دکھایا تھا؟ آخر کیا جرم کیا تھا تو نے؟ جس کی پاداش میں تجھے زندہ درگور کر دیا گیا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو سارے دن ان کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے، جس چیز کی اس کو خبر دی گئی اس کی عار سے لوگوں سے چھپتا پھرے آیا اس کو ذلت پر لیے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے، خوب سن لو ان کی یہ تجویز بہت ہی بُری ہے''۔ [سورۃ النحل]

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، نہ ان سے کوئی مشورہ لیتے تھے، ایک طرف یہ جاہلیت تھی، یہ معاشرہ تھا جس میں بیٹی کا ہونا باعث شرم تھا، وہ نحوست سمجھی جاتی تھی، بدبختی کی علامت تھی لیکن دوسری طرف اسلام نے اسے عزت کا مقام دیا، دلوں میں اس کی محبت کیسے پیدا کی۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ گئیں تو قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح آئیں گے جیسے میرے ہاتھ کی دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے اپنی انگشت شہادت والی انگلی کو ساتھ ملا کر دکھایا، ان دونوں انگلیوں میں چھوٹا بڑا ہونے کے اعتبار سے کچھ فرق تو ہے لیکن ہیں بہرحال دونوں ایک ساتھ، ایک اور روایت میں ملتا ہے کہ جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی اچھی طرح پرورش کرے تو یہی لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کے حقوق کا اس قدر خیال تھا کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پہ بھی عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس عورتوں کے بارے میں تم اللہ سے ڈرو کیوں کہ تم نے ان کو اللہ کے عہد کے ساتھ لیا ہے اور تم نے ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حلال کیا ہے اور اپنی وفات سے چند لمحے پہلے جن اہم باتوں کی امت کو تلقین فرمائی، ان میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ نماز کا خیال رکھنا اور جن کے تم مالک ہو ان کا خیال رکھنا، علماء فرماتے ہیں کہ: ''جن کے تم مالک ہو'' ان میں بیویاں بھی شامل ہیں۔

اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، بنت حوا معمار انسانیت، حیا و وفا کی علامت اور استحکام خاندان کی بنیاد ہے، ہمیں بھی چاہیے کہ قرآن و سنت کو سامنے رکھتے ہوئے عورت کو وہ حقوق دیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیے ہیں، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو قرآن و سنت پہ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

قرآن کا مطالعہ کیسے؟

از: مولانا محمد اویس نگرامی

ندوۃ العلماء کے مایہ ناز فرزند اور سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد مولانا محمد اویس نگرامی ندوی رحمہ اللہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شیخ التفسیر کے عہدہ پر فائز تھے، تفسیر ان کا خاص موضوع تھا، اور ان کا تفسیر کا درس نہایت مقبول تھا۔ انھوں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں میں منتشر تفسیری مواد کو جمع کیا تھا، جو ''التفسیر القیم'' کے عنوان سے موسوم ہوا۔

زیر نظر کتاب مولانا نگرامیؒ کے بعض تفسیری افادات پر مشتمل ہے، جو اس سے قبل بھی مکتبہ طیبہ لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔ اس جدید ایڈیشن میں ہمارے رفیقِ درس جناب محمد فیضان نگرامی ندوی صاحب نے ذیلی عنوانات قائم کر کے، اور آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبویہ اور دیگر عربی عبارات کی تخریج و تصحیح کر کے 'مولانا عبد الرحمن اکیڈمی نگرام' سے شائع کیا ہے۔

''قرآن کا مطالعہ کیسے؟'' نامی یہ رسالہ گرچہ اپنی قامت میں مختصر نظر آتا ہے، لیکن اس میں قرآنی مطالعہ کے کئی اہم اصول ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مولاناؒ نے اس میں سب سے پہلے قرآن کی عظمت، اتباعِ رسولؐ اور قرآن سے استفادہ کی شرائط سے بحث کی ہے، اس کے بعد مقاصدِ قرآن بیان کرتے ہوئے، الفاظِ قرآن، آیات کے مفہوم کی تعیین، تفسیری روایات، عربی زبان کا شعور، تفسیر بالرائے، تاریخ ملل و مذاہب، کلمۃ اللہ کا مفہوم جیسے مباحث پیش کیے ہیں، اور اس ضمن میں مستشرقین اور دیگر لوگوں کے مختلف اعتراضات کے جوابات تشفی بخش طریقہ سے دیے ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوبِ بیان انتہائی سادہ اور دل کش ہے کہ بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ ان کا انداز اختصار مگر پوری وضاحت کے ساتھ مباحث کو پیش کرنے کا ہے، یہی وجہ ہے اس مختصر رسالہ میں کئی علمی مباحث اور مفید باتیں تفسیر کا ذوق رکھنے والوں کو مل جائیں گی۔

کل صفحات ۷۶ ہیں۔ ندوۃ العلماء کے ارد گرد کے کتب فروشوں کے یہاں خرید کے لیے دستیاب ہے۔

رابطہ کے لیے: ۹۴۱۵۵۶۰۷۲۰

تذکیر ودعوت

از: ڈاکٹر غلام کریمؒ

دینی تحریکوں اور علمی اداروں نے گرچہ ملتِ اسلامیہ کو بہت کچھ عطا کیا ہے؛ تاہم ان سے استفادہ کرنے والوں میں باہم فرق نمایاں نظر آتا ہے؛ بعض لوگ سطحی استفادہ کرتے ہیں؛ بلکہ عام تعداد ایسی ہی ہوتی ہے، جبکہ بعض لوگ جن کو اللہ تعالی نے قلبِ سلیم اور ذوقِ سلیم سے نوازا ہوتا ہے، وہ بہت آگے نکل جاتے ہیں۔

اسی طرح کی ایک شخصیت ڈاکٹر غلام کریم صاحب مرحوم کی بھی تھی، جنھوں نے تبلیغی جماعت سے منسلک ہوکر' اس کے اکابر سے خوب خوب استفادہ کیا، خاص طور حضرت مولانا محمد عبید اللہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سے انھوں نے خوب فیض اٹھایا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم گرچہ پیشہ سے ایک طبیب تھے؛ لیکن تبلیغ کی دینی تحریک اور اس کے واسطہ سے اہلِ علم و اہلِ دل و اہلِ نظر کی صحبت نے ان کی طبیعت کو ایسی جلا بخشی کہ وہ اصلاح وارشاد، اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں ایک ممتاز مقام کے حامل ہوئے۔ زیر نظر کتاب ''تذکیر ودعوت'' ان کے افادات کے مجموعہ کی تیسری جلد ہے، جو ان کے لائق فرزند جناب عبد اللہ قاسمی خلیل آبادی صاحب کی تالیف ہے، اور انھوں نے اس میں قابلِ قدر اضافہ بھی کیا ہے، اور دیگر بزرگوں اور اہلِ علم کی باتوں سے استفادہ کر کے ڈاکٹر صاحب کے افادات کی تکمیل یا تحقیق انجام دی ہے۔

یہ کتاب اپنی رنگین و دیدہ زیب طباعت کی وجہ سے بھی اور اپنے موضوعات و افکار کی بنا پر بھی قاری کو دعوتِ مطالعہ دیتی ہے۔ اس میں اہلِ دل کی تسلی کا سامان بھی ہے، اہل علم کے استفادہ کا بھی، اور اہلِ نظر کے ذوق کا بھی۔ محض ورق گردانی اور سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ محض ایک طب و حکمت سے وابستہ فرد کی نہیں؛ بلکہ ایک دینی بصیرت رکھنے والے شخص کے فرمودات ہیں، جو قاری کے قلب و ذہن کے بند دریچوں کو کھول دیتے، مزاج و طبیعت کو نورانی اور مشامِ جاں کو معطر کر دیتے ہیں۔

کتاب ہر خاص و عام کے پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، 'مکتبہ احسان لکھنؤ' نے شائع کیا ہے۔

حصول کے لیے درج ذیل نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں:

۹۳۳۵۹۸۲۳۴

☆☆☆

اناللہ وانا الیہ راجعون

ڈاکٹر محمد شعیب ندوی نگرامی کا انتقال

۲۳/اپریل کو بحرین میں مقیم خانوادۂ نگرام اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ التفسیر مولانا محمد اویس نگرامی کے قابل فرزند ڈاکٹر محمد شعیب ندوی نگرامی ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کی پیدائش ۱۹۳۸ء میں نگرام ،لکھنؤ میں ہوئی۔ حفظِ قرآن کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، اور عالمیت وفضیلت کی ڈگری سے سرفراز ہوئے، اس کے بعد جامعہ قاہرہ سے بی اے، پھر جامعہ ازہر سے ایم اے اور ڈاکٹریٹ کیا۔ وہ ایک مدت تک ریڈیو قاہرہ کی اردو وہندی سروسز کے لیے کام کرتے رہے، کچھ عرصہ لیبیا کے ٹی وی چینل 'بن غازی' کے لیے بحیثیت رپورٹر کام کیا، پھر سعودی عرب کا رخ کیا، اور بیس سال سے زائد عرصہ محکمہ اطلاعات و نشریات میں اعلیٰ خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ وہ ان خوش نصیبوں میں شامل تھے جنھیں مجمع ملک فہد میں شعبۂ طباعتِ قرآن کریم میں خدمت کا موقع ملا، وہ اس کی نگران کمیٹی میں شامل تھے۔ انھوں نے ندوہ اور اکابرِ ندوہ سے تاعمر تعلق برقرار رکھا، عمر مستعار کے آخری سالوں میں وہ علیل رہے، اس سے قبل دیگر ذمہ داریوں سے سبک دوشی کے بعد وہ اکثر ندوۃ العلماء آتے تھے، اور اسی دوران دار العلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ صحافت میں طلبہ کو درس بھی دیا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کی علمی یادگاروں میں کئی کتابیں ہیں، جن کے نام "طائفة السيخ في الميزان"، "المرأة و الديانات الاخرى"، "حركات هدامة للاسلام" ہیں۔

مولانا مطیع الرحمٰن ندوی کا انتقال

۹/اپریل کو بروز جمعرات ندوہ کے ایک اور علمی فرزند مولانا مطیع الرحمن ندوی کا انتقال ہوگیا، وہ جدہ میں تھے اور جامعۃ الملک عبد العزیز، جدہ کی لائبریری میں ملازمت سے سبک دوش ہو چکے تھے۔ حرم نبوی میں آپ کی نمازِ جنازہ ہوئی، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ مولانا مرحوم 'بانی مدیر مجلہ 'البعث الاسلامی' مولانا سید محمد الحسنی رحمہ اللہ اور ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم محدث العصر مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری حفظہ اللہ کے درسی ساتھیوں میں تھے۔

مولانا احمد کمال ندوی کا انتقال

۲۴/اپریل کو ندوۃ العلماء کے ایک لائق فرزند مولانا احمد کمال ندوی ۷۸/سال کی عمر میں ہم سے رخصت ہوگئے۔ مولانا مرحوم کشی نگر یوپی سے تعلق رکھتے تھے، ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کرنے کے بعد عالیہ وعلیا کی تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء میں حاصل کی، پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے بھی کسبِ فیض کیا۔ واپس آ کر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد کئی تعلیمی ادارے خود قائم کیے، اور علوم شرعیہ وعربیہ کی تعلیم اور طلبہ کی تربیت میں عمر عزیز صرف کی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان تمامی حضرات کی خدمات کو قبول فرمائے، سیئات سے درگذر فرمائے، اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

☆☆

بقیہ: قربانی اور اس کے حقیقی تقاضے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الاضحیٰ کے موقع پر فرمایا: آج کے دن کسی آدمی کا کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ افضل نہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہؓ سے فرمایا: اپنی قربانی کے پاس رہو، اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

ایک موقع پر فرمایا: قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے بالوں، سینگوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا۔ لیکن آج کا نیا دور، جس میں دنیا ماڈرن لائف اسٹائل کی طرف چل پڑی ہے، جس کے نزدیک عبادات کی وقعت اور حیثیت نہیں رہی، اس نے قربانی کو نام ونمود اور شہرت کا ذریعہ بنالیا ہے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارم پر اس کی تشہیر کی جارہی ہے۔

دوسری طرف غفلت اور بے توجہی کا حال یہ ہے کہ لوگ قربانی کو محض فرض ادائیگی کے طور پر کرنے لگے ہیں۔ ایک یا دو دن پہلے جانور خرید کر لاتے ہیں یا دوسرے کو پیسہ دے کر اس کام سے سبکدوش ہوجاتے ہیں، اور یہ بات ایک فیشن کی صورت اختیار کرتی جارہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قربانی اپنی اصل اور حقیقت کے ساتھ موجود ہے، لیکن ہماری زندگیاں اس کی روح سے خالی ہیں۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ" (الحج: ۳۷)

ترجمہ: نہ ان کا گوشت اللہ کو پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

☆☆☆

اتباع کامل

قربانی: نفس کے خلاف جہاد

محترمہ ترنم بنت عبدالسمیع لکھنؤ

قربانی اسلام کا ایک عظیم الشان تصور ہے جو محض جانور ذبح کرنے تک محدود نہیں، بلکہ انسان کی پوری زندگی کو اپنے دائرے میں لے لیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی خواہشات، مفادات اور نفسانی تقاضوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں قربانی کی جوروح بیان کی گئی ہے، وہ دراصل بندگی، اطاعت اور ایثار کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو انسان کو ظاہری عبادات سے اٹھا کر باطنی پاکیزگی اور حقیقی تقویٰ تک پہنچاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"لَن يَنَالَ اللهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوىٰ مِنكُمْ" (سورۃ الحج: ۳۷)

یعنی اللہ کو نہ ان جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ قربانی کا اصل جوہر ظاہری عمل نہیں، بلکہ دل کی کیفیت، اخلاص اور تقویٰ ہے۔ اگر عمل کے ساتھ تقویٰ نہ ہو تو وہ محض ایک رسم بن کر رہ جاتا ہے، لیکن جب دل میں اخلاص اور اللہ کی رضا کی طلب ہو تو معمولی سا عمل بھی عظیم بن جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا واقعہ قربانی کی سب سے کامل اور زندہ مثال ہے۔ ایک باپ اپنے سب سے عزیز بیٹے کو اللہ کے حکم پر قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور بیٹا بھی کامل رضا مندی کے ساتھ سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ یہ محض ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ہر دور کے انسان کے لیے ایک پیغام ہے کہ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی سب سے محبوب چیز کو بھی اللہ کے حکم پر قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو اللہ کا مقرب بناتا ہے اور اس کے ایمان کو جلا بخشتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے قربانی کے وسیع مفہوم کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: "المجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله" (ترمذی) یعنی اصل مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔

اس ارشادِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑی قربانی اپنے نفس کے خلاف کھڑا ہونا ہے۔ اپنی خواہشات، انا، غصے، حسد اور دنیاوی لالچ پر قابو پانا ہی حقیقی قربانی ہے۔ یہی وہ جہاد ہے جو ہر انسان کو ہر وقت درپیش رہتا ہے اور جس میں کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔

بدقسمتی سے عصرِ حاضر میں ہم قربانی کے صرف ظاہری پہلو تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور اس کی اصل روح سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ ہم جانور تو قربان کرتے ہیں، مگر اپنی خواہشات اور انا کو قربان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ عبادات تو ادا کرتے ہیں، مگر اپنے کردار اور رویوں میں تبدیلی لانے سے ہچکچاتے ہیں۔ معمولی تنقید، اختلافِ رائے یا حق بات بھی برداشت نہیں ہوتی سوشل زندگی ہو یا گھریلو معاملات، ہر جگہ انسان اپنی ذات کو مقدم رکھتا ہے۔ ہر شخص اپنی انا کا اسیر بن چکا ہے اور اپنی خواہشات کو ہی معیارِ حق سمجھ بیٹھا ہے، جس کے نتیجے میں برداشت، حلم اور ایثار جیسی صفات ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔

قرآنِ کریم اس کیفیت کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتا ہے: "أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ" (الجاثيه: ۲۳) یعنی کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو ہی اپنا معبود بنا لیا؟

آج کا انسان عملی طور پر اسی کیفیت کا شکار نظر آتا ہے۔ جب خواہشات کو معیار بنا لیا جائے تو پھر حق و باطل کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور انسان اپنی اصلاح کے بجائے اپنے نفس کی تسکین میں لگ جاتا ہے۔

حقیقی قربانی کا راستہ یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اللہ کے احکام کے تابع کر دے۔ قربانی صرف عید الاضحیٰ کا ایک سالانہ عمل نہیں، بلکہ زندگی بھر کا مسلسل عمل ہے۔ ہمیں اپنی انا، غصے، خود پسندی اور خواہشات کو اللہ کے حکم کے تابع کرنا ہوگا۔ دوسروں کی بات سننے، اختلاف برداشت کرنے اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہوگی چاہے وہ ہمارے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ہمیں اپنے معاملات میں دیانت، عدل، صبر اور درگزر کو جگہ دینی ہوگی، کیونکہ یہی صفات حقیقی قربانی کی عملی صورتیں ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به" یعنی تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات اس دین کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔

ایمان کی تکمیل اسی وقت ممکن ہے جب انسان اپنی خواہشات کو شریعت کے تابع کر دے اور اپنی زندگی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ڈھال لے۔

☆☆☆

حج مبرور

کفن بردوش جا پہنچے مگر---

محمد نفیس خان ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

حج محض ایک عبادت نہیں بلکہ ایک مکمل تربیتی نظام ہے، جو انسان کو ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے بدلنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ یہ وہ عظیم سفر ہے جس میں بندہ اپنے رب کے حضور اس حال میں حاضر ہوتا ہے کہ گویا وہ دنیا کی ساری نسبتوں سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو گیا ہو۔ سفید احرام دراصل کفن کی یاد دلاتا ہے' ایک ایسا لباس جس میں نہ کوئی شان ہے، نہ تفاخر، نہ امتیاز!

مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہم واقعی اس 'کفن' کی حقیقت کو سمجھ پاتے ہیں؟ ذرا تصور کیجیے! حج کے مقدس ایام ہیں، فضا لبیک اللّٰھم لبیک کی صداؤں سے گونج رہی ہے، آنکھیں اشکبار ہیں اور دلوں میں خشوع کی کیفیت، لیکن اسی ہجوم عاشقاں میں ایک منظر یہ بھی نظر آتا ہے کہ کوئی موبائل لہرا رہا ہے، کوئی سیلفی میں مصروف ہے، کوئی طواف کے دوران تصویر لے رہا ہے، کوئی عرفات کے لمحات کو مختلف زاویوں سے محفوظ کر رہا ہے اور کوئی منیٰ کے خیموں میں عبادت کے بجائے مناظر قید کرنے میں لگا ہوا ہے۔ یہ وہ رویہ ہے جو حج کی روح کو سرد کر دیتا ہے اور انسان کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ہم اللہ کے حضور حاضر ہیں یا اپنی نمائش میں گم؟

یہی وہ دل شکن منظر ہے جسے دیکھ کر کوئی شاعر بے اختیار کہہ اٹھتا ہے ؏

کفن بردوش جا پہنچے مگر مرنا نہ سیکھا تھا

یہ مصرعہ پورے منظرنامے کو آئینہ دکھاتا ہے، لاکھوں افراد احرام باندھ کر میدانِ عرفات تک پہنچتے ہیں، مگر کتنے ہیں جو اپنے نفس کو بھی قربان کرتے ہیں؟ کتنے ہیں جو خواہشات، غرور، حسد اور دنیا پرستی کو چھوڑ کر ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ حج محض چند اعمال کی ادائی کا نام نہیں بلکہ ایک گہری روحانی تربیت ہے۔ اس میں مشقت بھی ہے، آزمائش بھی اور نفس کے خلاف جدوجہد بھی۔ اگرچہ جدید سہولتوں نے اس سفر کو آسان بنا دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ اس کی روح کمزور پڑتی جا رہی ہے۔ بہت سے لوگ بغیر ذہنی و روحانی تیاری کے اس سفر پر نکلتے ہیں، مناسک جلدی جلدی ادا کرتے ہیں اور واپس آجاتے ہیں، مگر ان کی زندگیوں میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آتی۔ حالانکہ حج کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسان کی سوچ، اس کا کردار اور اس کی زندگی بدل جائے۔

یہ سفر انسان کو اپنے مزاج پر قابو پانے، دل اور نگاہوں کی حفاظت کرنے اور صبر و برداشت اختیار کرنے کی عملی تربیت دیتا ہے۔ مختلف مزاج کے لوگوں کے درمیان رہ کر برداشت، حلم اور تقویٰ کا مظاہرہ کرنا ہی اصل کامیابی ہے۔ یہی وہ موقع ہے جہاں زبان کی حفاظت، آنکھوں کی پاکیزگی اور دل کی صفائی کا عملی امتحان ہوتا ہے۔ اگر یہاں بھی انسان خود کو نہ سنبھال سکے تو پھر کہاں سنبھلے گا؟

احرام کی دو سادہ چادریں انسان کو بار بار یہ پیغام دیتی ہیں کہ ایک دن یہی کیفیت مستقل ہو جائے گی نہ کوئی عہدہ ساتھ ہوگا، نہ دولت، نہ شہرت، صرف اعمال ہوں گے۔ اسی لیے حج دراصل موت کی یاد کو تازہ کرنے اور آخرت کی تیاری کا نام ہے، مگر افسوس کہ ہم اس پیغام کو سننے کے بجائے دنیاوی مصروفیات میں الجھے رہتے ہیں۔

ماضی میں حج کا سفر واقعی ایک کٹھن مرحلہ ہوا کرتا تھا۔ لوگ مہینوں کی مسافت طے کر کے، ہر طرح کی مشقت جھیل کر اور آخری سفر کا احساس لے کر نکلتے تھے۔ وہ حقوق العباد ادا کرتے، چھوٹے بڑوں سب سے معافیاں مانگتے اور اس یقین کے ساتھ روانہ ہوتے کہ شاید واپسی بہت مشکل ہو۔ اسی اخلاص اور سچی طلب نے ان کے حج کو زندگی بدل دینے والا بنا دیا تھا۔

آج اگرچہ سفر آسان ہو گیا ہے، مگر دلوں کی کیفیت ویسی نہیں رہی۔ اسی لیے سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے دل کو اس سفر کے لیے تیار کریں۔ ہم یہ شعور پیدا کریں کہ ہم ایک ایسے مقام کی حاضری کے لیے جا رہے ہیں جہاں رحمتیں برس رہی ہیں اور مغفرت کے دروازے کھلے ہیں۔ اگر وہاں سے بھی انسان خالی ہاتھ لوٹ آئے تو اس سے بڑی محرومی کوئی نہیں۔

مزید یہ کہ حج ہمیں مساوات اور اخوت کا عملی درس بھی دیتا ہے۔ ایک ہی لباس میں بادشاہ اور فقیر، امیر اور غریب سب ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ کوئی کسی سے برتر نہیں ہوتا سوائے تقویٰ کے۔ اگر یہ سبق ہم اپنے معاشرے میں واپس لے آئیں تو بہت سی سماجی برائیاں خود بخود ختم ہو سکتی ہیں۔

لہٰذا ضروری ہے کہ حج کے مبارک سفر میں جہاں دیگر سامان سفر کی تیاری مکمل ہو وہیں توشہ تقویٰ کا بھی جائزہ لے لیا جائے تاکہ یہ سفر محض سفر نہ رہے بلکہ سراپا عبادت بن جائے تاکہ حاجی اس نوید نبوی ﷺ کا مستحق قرار پائے:

''مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔''

فقہی مسائل

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

سوال: ایک شخص کے پاس سفرحج کے بقدر مال ہے لیکن ان کے پاس مکان نہیں ہے، اور وہ کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جن کے پاس ذاتی مکان نہ ہو ان پر حج فرض نہیں ہے، کیا یہ خیال صحیح ہے؟

جواب: اگر کسی کے پاس ضروریات کے علاوہ بقدر سفرحج مال موجود ہو، اس پر حج فرض ہوجاتا ہے، خواہ وہ کرایہ کے مکان میں رہتا ہو، حج فرض ہونے کے لیے ذاتی مکان ہونا ضروری نہیں ہے۔

[بدائع الصنائع: ۲/۲۹۸]

سوال: ایک صاحب مسکین تھے، ایک دوست نے مسکینی کی حالت میں اسے حج کرادیا، حسن اتفاق اب وہ مالدار ہوگئے ہیں، کیا اب ان کے لیے حج کرنا فرض ہے؟ یا پہلا حج جو حالت غربت میں ادا کیا ہے وہی کافی ہے؟

جواب: اگر مسکینی کی حالت میں اپنا حج فرض ادا کرلیا ہے تو اب دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں بلکہ ادائے فرض کے لیے پہلا حج کافی ہے، علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں صراحت کی ہے کہ فقیر نے کسی طرح حج کرلیا ہے اب اگر مالدار ہوگیا تو دوبارہ حج فرض لازم نہیں ہے۔

[بدائع الصنائع: ۳/۴۵]

صاحب منحة الخالق نے بھی حاشیہ البحرالرائق میں یہی صراحت کی ہے: ”**كالفقير اذا حج فانه يسقط عنه الفرض حتى لو استغنى لا يجب عليه ان يحج**“۔

[منحۃ الخالق علی البحرالرائق: ۲/۵۴۶]

سوال: جو لوگ مکہ المکرمہ پہونچ جاتے ہیں اور اپنی طرف یا والدین کی طرف سے عمرہ کرتے ہیں، کیا ان پر حج فرض ہوجاتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے کیا یہ خیال صحیح ہے؟

جواب: جو مکہ المکرمہ حج کے زمانہ یا اس سے قریب میں پہونچ جائے تو اس پر حج فرض ہوجاتا ہے چاہے اپنی طرف سے عمرہ کے لیے گیا ہو یا والدین کی طرف سے، ہاں! اگر حج کا زمانہ قریب نہیں تھا تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں ہوا، اس لیے عمرہ کرلینے سے حج فرض نہیں ہوگا۔

[ردالمحتار: ۳/۴۵۹]

سوال: سفرحج پرجانے سے قبل کیا تمام حقوق کا ادا کرنا ضروری ہے، سنا ہے کہ اس کے بغیر حج ادا نہیں ہوگا؟ بعض قرضے طویل المیعاد ہیں یا ان کی ادائیگی کے بعد ہی حج پر جاسکتے ہیں، جبکہ ابھی حج کرنے کی استطاعت ہے؟

جواب: حج ایسی عظیم الشان عبادت ہے کہ یہ پچھلے ایسے گناہوں کے لیے جو حقوق اللہ سے متعلق ہوں، ان کے لیے کفارہ ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج پہلے گناہوں کو ختم کردیتا ہے: ”**الحج يهدم ما كان قبله**“ (صحیح مسلم، حدیث: ۱۹۲۱) اس لیے حج سے قبل تمام حقوق ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ حج مقبول حاصل ہو، لیکن جو قرضے طویل مدتوں میں ادا ہوتے ہیں ان کی وجہ سے حج سے نہیں رکنا چاہیے، اگر جلد ادا ہوجائیں تو ادا کردیے جائیں ورنہ حج فرض ہوتے ہی حج ادا کیا جائے۔

سوال: ایک شخص حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتا ہے چونکہ صوبہ اترپردیش میں حجاج کی کثرت کی وجہ سے اکثر درخواست منظور نہیں ہوتی، اس لیے اگر کوئی شخص حیلہ کرکے اپنے کو کسی دوسرے صوبہ بنگال یا صوبہ بہار کا باشندہ ظاہر کرکے وہاں سے فارم بھرے اور منظور کرالے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ کیا یہ کذب میں داخل ہے یا نہیں؟ کیا اس طرح حج پر جانا درست ہوگا؟

جواب: اگر دوسرے صوبہ میں کچھ مدت رہا ہو یا رہتا ہو تو اس کی طرف انتساب کی گنجائش ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی وجہ سے کسی دوسرے کی حق تلفی نہ ہوتی ہو: ”**شرط المعارض المباحة أن لا يضيع بها حق أحد**“۔

[شرح مسلم للنووی علی المسلم: ۲/۲۰۹]

سوال: کیا کوئی عورت محرم نہ ہونے کی وجہ سے دوسری عورتوں کے ساتھ جن کے محرم ہیں، سفرحج پر جاسکتی ہیں، کیا بوڑھی اور جوان عورتوں کے حکم میں کوئی فرق ہے؟

جواب: سفرحج انتہائی مبارک سفر ہے، اس سفر کو ہر طرح کے گناہوں اور ممنوع چیزوں سے پاک ہونا چاہیے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی عورت سفر نہ کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو، [بخاری ومسلم] اس حدیث میں بوڑھی اور جوان کا فرق نہیں ہے، اسی لیے فقہاء احناف کہتے ہیں کہ عورت کے لیے بغیر محرم کے سفرحج پر جانا جائز نہیں ہے خواہ بوڑھی ہو یا جوان۔

[البحرالرائق: ۲/۲۵۵]

☆☆☆

منزل بہ منزل

رپورٹ ناظم ندوۃ العلماء

پیش کردہ جلسہ مجلس انتظامی ندوۃ العلماء لکھنؤ

(منعقدہ مورخہ ۱۶رشوال ۱۴۴۷ھ مطابق ۵راپریل ۲۰۲۶ء بروز اتوار)

ذیل میں ندوۃ العلماء کے مختلف شعبوں کی کارکردگی پیش خدمت ہے:

دار العلوم

''دارالعلوم'' کے تمام شعبوں میں تعلیمی سرگرمیاں بحسن وخوبی اختتام کو پہنچیں اور ۵رفروری کوسالانہ امتحان ختم ہوا۔

امسال دارالعلوم کے مختلف درجات میں طلبہ کی تعداد (۲۴۶۳) رہی۔

ابتدائی اور ثانوی درجات کے لیے شہرلکھنو میں تین بڑے معاہد (معہد سکروری، مدرسہ اسلامیہ مہپت مئو، مدرسہ مظہر الاسلام بلوچپورہ) ہیں، جو اپنی جگہ خود بڑے مدارس کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن یہ پوری طرح ندوۃ العلماء ہی کا حصہ ہیں، ان کا پورا انتظام ندوہ دیکھتا ہے اور مکمل اخراجات بھی ندوہ کی طرف سے پورے کیے جاتے ہیں، ایک چھوٹا مدرسہ (معہد سیدنا عثمان بن عفانؓ) رائے بریلی میں ہے جو ابھی چندسال پہلے ندوہ کی ایک بڑی آراضی پر قائم کیا گیا ہے۔

معہد سکروری میں ثانویہ اولی سے ثانویہ خامسہ تک تعلیم ہوتی ہے، امسال یہاں متعدد درجات میں (۶۴۷) داخلے ہوئے۔

مدرسہ اسلامیہ سمرہیا (معہد سیدنا ابوبکر صدیقؓ) مہپت مئو میں مختلف درجات میں طلبہ کی تعداد: ۵۱۷ر رہی، طلبہ کی بنیادی ضروریات کو دیکھتے ہوئے سال رواں یہاں دو کینٹین اور تین دوکانیں تعمیر کی گئیں اور ایک نئی بورنگ بھی کرائی گئی ہے۔

مدرسہ مظہر الاسلام میں طلبہ کی تعداد: ۶۰۴ر رہی

رائے بریلی کے مدرسہ سیدنا عثمان بن عفانؓ میں حفظ وعربی درجات قائم ہیں، طلبہ کی رہائش کا بھی نظم ہے، یہاں ناظرہ وحفظ کے علاوہ خصوصی، ثانویہ ثانیہ وثانویہ ثالثہ کے درجات قائم ہیں، کل طلبہ کی تعداد: ۵۳ رہی۔

لکھنو شہر میں ۱۳ مکاتب قائم ہیں، جن میں امسال طلبہ کی تعداد (۱۴۶۷) رہی، شعبہ دعوت وارشاد کے زیر نگرانی لکھنو کے مضافات اور دیہی علاقوں میں (۲۰) مکاتب کام کر رہے ہیں جن میں طلبہ کی تعداد دو ہزار (۲۰۰۰) رہی۔

اس طرح دارالعلوم کے زیر انتظام تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی کل تعداد (۷۲۶۸) رہی۔

دارالعلوم میں عالیہ رابعہ شریعہ کے درجات میں کیمرے سے حاضری لینے کا نظام بنانے کا جو فیصلہ کیا گیا تھا، اس کو نافذ کیا گیا اور اس کا نتیجہ اچھا رہا۔

طلبہ کی انجمن الاصلاح، النادی العربی اور دیگر انجمنوں کے تحت علمی، ادبی اور ثقافتی متنوع پروگرام ہوئے جن میں طلبہ ذوق وشوق سے شریک ہوئے۔ کلیۃ اللغۃ العربیۃ کی نگرانی میں سال گزشتہ کی طرح امسال بھی ''رحلۃ ثقافیۃ وترفیھیۃ'' کا نظم کیا گیا اور اس سال دو رحلے منظم کیے گئے، پہلا رحلہ ۷۰ طلبہ پر مشتمل ''مدرسۃ الحرم'' (رحمان کھیڑا، ملیح آباد، لکھنو) ۲۴ر گھنٹے کے لیے روانہ کیا گیا اور دوسرا رحلہ ''مدرسہ ضیاء العلوم'' (میدان پور، رائے بریلی) بھیجا گیا، ان ادبی، علمی اور ثقافتی رحلات میں اس بات کا التزام کیا جاتا ہے کہ عربی کے سوا کوئی دوسری زبان نہ بولی جائے، اس طرح طلبہ کی عملی تربیت کے ساتھ ان کے عربی ذوق کو پروان چڑھایا جارہا ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ میں عربی و انگریزی تحریر وتقریر کے معیار کو بلند کرنے، لسانی وادبی ذوق پیدا کرنے اور عربی وانگریزی بول چال کو مزید فروغ دینے کا دوسال پہلے جو نظام نافذ کیا گیا تھا، اس سال اس کی سرگرمیوں میں مزید اضافہ ہوا، اور طلبہ نے فائدہ اٹھایا۔

''مرکز التدریب للتحدث باللغۃ العربیۃ'' جو کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابھا کی نگرانی میں کام کرتا ہے، اس میں سہ ماہی کورس کے دو مرحلے رکھے گئے، پہلے مرحلہ میں ۱۲۵ر طلبہ نے حصہ لیا اور یہ مرحلہ ششماہی امتحان سے پہلے مکمل ہوا، دوسرا مرحلہ ششماہی امتحان کے بعد شروع ہوا اور رجب میں اختتام کو پہنچا، دوسرے مرحلہ میں ۸۸ر طلبہ نے حصہ لیا اور اختتام سال پر دونوں

مرحلوں کے طلبہ کو سہ ماہی عربی بول چال کے سرٹیفکیٹ دیے گئے۔

ندوہ انگلش اسپیکنگ کورس میں ۱۰۱ طلبہ نے حصہ لیا، اس سال چھ ماہ کا کورس مرتب کیا گیا تین ماہ ششماہی امتحان سے پہلے اور تین ماہ ششماہی امتحان کے بعد، اختتام سال پر طلبہ کو انگریزی بول چال کے سرٹیفکیٹ بھی دیے گئے۔

ندوہ کمپیوٹر سنٹر سے امسال ۹۱/ طلبہ نے استفادہ کیا، ''ملٹی لنگول ڈی ٹی پی'' نام سے موسوم نصاب تیار کرایا گیا اور اس کے مطابق چھ ماہ کمپیوٹر کی تعلیم دی گئی، طلبہ کو لکھنؤ کی معروف آئی ٹی کمپنی کی طرف سے سہ ماہی ''ایم ایس آفس کورس'' کے حکومت سے منظور شدہ سرٹیفکیٹ کے ساتھ سنٹر کی جانب سے سہ ماہی کورس ''ملٹی لنگول ڈی ٹی پی'' کے سرٹیفکیٹ بھی دیے گئے۔

علمی اور تاریخی موضوعات پر توسیعی خطبات کا نظم کیا گیا اور متعدد اہل علم ودانش نے محاضرات پیش کیے جن سے طلبہ نے استفادہ کیا۔

عربی میں دو آن لائن محاضرے ہوئے، پہلا آن لائن محاضرہ سعودی عالم ڈاکٹر احمد بن عودہ العمرانی نے ''فن التعامل مع الناس'' کے عنوان پر پیش کیا، دوسرا محاضرہ امارات کے معروف عالم شیخ عبدالحکیم انیس نے منہج تفسیر کے موضوع پر پیش کیا۔

حسب سابق سال رواں بھی اختصاصات کے طلبہ کے لیے ''لیگل لٹریسی کورس'' جاری رہا اور طلبہ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور ان کو سرٹیفکیٹ بھی دیے گئے۔

مکاتب شہر

ندوۃ العلماء کے شعبۂ مکاتب کے تحت شہر لکھنؤ کے مختلف محلوں اور علاقوں میں مکاتب کا نظام چل رہا ہے، جن کی تعداد: ۱۳/ ہے اور ان میں طلبہ کی تعداد (۱۴۶۷) ہے اور مدرسین کی تعداد: ۴۵/ ہے۔ ان مکاتب میں ایک تعداد ایسے مکاتب کی ہے جہاں سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچے صبح وشام قرآن مجید، اردو اور دینیات پڑھنے آتے ہیں۔

مدارس ملحقہ

اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء سے الحاق شدہ مدارس کی تعداد: ۴۰۷/ تک پہنچ چکی ہے جو ملک کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں، امسال ۲۴/ مدرسوں کا الحاق ہوا اور ۲۱/ مدارس کے الحاق کی درخواستیں زیر غور ہیں، ان میں ۹/ ایسے بڑے مدارس ہیں جہاں عالمیت تک تعلیم ہوتی ہے اور متعدد مدارس کے ذیلی مکاتب بھی ہیں۔

چار سال پہلے مدارس ملحقہ کے جائزہ کے لیے اساتذۂ دارالعلوم پر مشتمل کئی کمیٹیاں تشکیل دی گئی تھیں، وہ مختلف علاقوں میں جا کر مدارس ملحقہ کا جائزہ لے رہی ہیں، جائزہ رپورٹوں کی روشنی میں ان کی تعلیمی صورتحال اور ان کے نظام تعلیم وتربیت کو بہتر سے بہتر، فعال اور موثر بنانے کے لیے ضروری اقدامات کیے جارہے ہیں اور سال میں ایک مرتبہ ذمہ داران مدارس کا مشاورتی اجلاس بھی ہورہا ہے جس میں مدارس کو درپیش مسائل پر غور وخوض ہوتا ہے اور ان کا حل پیش کیا جاتا ہے، امسال یہ اجلاس ۵-۶/ نومبر ۲۰۲۵ء کو منعقد ہوا اور مختلف مدارس ملحقہ سے ۲۴۰/ مندوبین شریک ہوئے۔

المعهد العالي للقضاء والافتاء

اس کے تحت تین شعبے: شعبہ دارالافتاء، شعبہ دارالقضاء اور شعبہ تدریب افتاء، خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دارالافتاء بہتر انداز میں اپنی خدمت انجام دے رہا ہے، شہر سے کافی لوگ اپنے مسائل لے کر دارالافتاء سے رجوع کرتے ہیں جن کی شرعی رہنمائی کی جاتی ہے، نیز بذریعہ ای میل بھی لوگوں کے سوالوں کے جوابات دیے جاتے ہیں۔ دارالافتاء میں اب تک اندراج ہونے والے استفتاءات کی تعداد: ۵۱۸۸۴/ رہے، سال رواں اندراج ہونے والے استفتاءات کی تعداد: ۱۵۴۶/ رہے۔

دارالقضاء میں ابتک اندراج ہونے والے مقدمات کی تعداد: ۱۴۴۶/ ہے، سال رواں اندراج ہونے والے مقدمات کی تعداد: ۱۶۶/ ہے اور سال رواں فیصل ہونے والے یا خارج ہونے والے مقدمات کی تعداد: ۱۳۹/ ہے اور زیر کارروائی مقدمات کی تعداد: ۴۰/ ہے۔

شعبہ تدریب میں امسال ۲۵/ طلبہ کا داخلہ منظور کیا گیا۔

شعبۂ صحافت

شعبہ صحافت و السنہ میں امسال پانچ (۵) طلبہ کا داخلہ منظور ہوا۔

شعبۂ انگریزی

اس شعبہ میں امسال سات (۷) طلبہ کا داخلہ منظور ہوا۔

کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی

الحمدللہ کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی کی کتابوں میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے، خریداری کے علاوہ مختلف ذرائع سے جدید مطبوعات کی فراہمی کی کوشش جاری ہے، اس سال کتب خانہ کو دو ہزار چھپن (۲۰۵۶) کتابیں موصول ہوئیں، ۲۸/ جنوری ۲۰۲۶ء تک کتب خانہ کی کتابوں کی تعداد جنرل رجسٹر کے مطابق دو لاکھ بتیس ہزار

تین سو چوبیس (۲۳۲۳۲۴) ہے، مستعار کتب خانوں کی کتابوں کی تعداد اٹھارہ ہزار تین سو پینسٹھ (۱۸۳۶۵) ہے، کتب خانہ میں کل کتابوں کی کی تعداد دو لاکھ پچاس ہزار چھ سو نواسی (۲۵۰۶۸۹) ہے۔

کتب خانہ کی ویب سائٹ تیار ہوگئی ہے، سر دست ہر کتاب کی بنیادی معلومات اپلوڈ کردی گئی ہیں اور کتابوں کی اسکیننگ کا کام جاری ہے، اب تک تفسیر قرآن، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، سفر نامہ اور تاریخ سے متعلق ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) کتابوں کی اسکیننگ ہوچکی ہے، بقیہ فنون سے متعلق کتابوں کی اسکیننگ پانچ ماہ میں ان شاء اللہ مکمل ہوجائے گی۔ نیز مجلس انتظامی کے فیصلہ کے مطابق ''ای لائبریری'' کا قیام عمل میں لے آیا گیا ہے اور یہ سیکشن کتب خانہ کی پانچ منزلہ عمارت میں گراؤنڈ فلور پر قائم کیا گیا ہے۔

اس مرکزی کتب خانہ کے علاوہ ذیلی کتب خانے بھی ہیں جو دار العلوم کے شعبوں کی ضرورت کے لیے ہیں اور دار الاقاموں میں بھی دار المطالعہ کے نام سے لائبریریاں ہیں، ان کتب خانوں کی کتابوں میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

شعبۂ دعوت وارشاد

اس شعبہ کی طرف سے شہر لکھنؤ اور اس کے مضافات میں ۲۰؍مکاتب قائم ہیں، اس کے علاوہ دینی موضوعات پر اصلاحی کتابچے بڑی تعداد میں شائع کیے جاتے ہیں۔ سال رواں بھی اس شعبہ کے تحت شہر کی مختلف مساجد کے ائمہ حضرات کی کئی میٹنگیں دار العلوم ندوۃ العلماء میں رکھی گئیں اور کئی مشاورتی جلسے شہر کی مختلف مساجد میں کیے گئے جن میں بڑی تعداد میں ائمہ شریک ہوئے اور اس کی چوتھی سالانہ مشاورتی نشست ندوۃ العلماء میں ہوئی۔

اس شعبہ کے تحت مساجد میں درس قرآن، نماز جمعہ سے پہلے آسان زبان میں دینی موضوعات پر نمازیوں سے خطاب، محلہ کی مساجد میں مکاتب کا قیام، جلسہ خواتین کا اہتمام اور غریب وضرورتمندوں کی مدد جیسے اہم کام شامل ہیں، یہ سارے کام ائمہ مساجد کے ذریعہ انجام پارہے ہیں۔

اس سال شہر لکھنو کی ۲۴۲؍مساجد میں درس قرآن کا سلسلہ جاری ہوا اور دار العلوم کے آخری درجات (شعبہ اختصاصات) کے ۵۲؍طلبہ کو مختلف مساجد میں درس قرآن کے لیے بھیجا گیا، ان شاء اللہ جہاں بھی اس کی ضرورت ہوگی، یہ سلسلہ ہمیں آگے بڑھانا ہے۔

۸۲۳؍مساجد میں جمعہ کے خطابات ہو رہے ہیں، اور ۸۳۷؍مساجد میں منظم مکاتب کا نظام چل رہا ہے، سات مسجدوں میں بیت المال کام کررہے ہیں اور ۷۹؍مساجد میں خواتین کے دینی اور تربیتی اجتماعات کا سلسلہ جاری ہے۔

مجلس صحافت ونشریات

ندوۃ العلماء سے تعلق رکھنے والا ایک اہم شعبہ مجلس صحافت ونشریات ہے، وہ عربی، اردو، ہندی اور انگریزی چار زبانوں میں مفید مضامین پر مشتمل کتابیں شائع کرتی ہے، اس شعبہ کی طرف سے اردو میں ''تعمیر حیات''، عربی میں ماہنامہ ''البعث الاسلامی'' اور پندرہ روزہ ''الرائد''، انگریزی میں ماہنامہ ''فریگرینس'' اور ہندی میں ''سچا راہی'' علاحدہ علاحدہ رسائل شائع ہوتے ہیں اور ان کی ویب سائٹ بھی ہیں۔

مجلس تحقیقات شرعیہ

گزشتہ برسوں کی طرح امسال بھی مجلس تحقیقات شرعیہ نے ''مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق جدید مسائل''، ''قبرستان سے متعلق چند جدید مسائل''، ''تلفیق بین المذاہب اور تتبع رخص'' کے موضوعات پر دو روزہ فقہی سیمینار منعقد کیا جس میں پورے ملک سے منتخب اہل افتاء اور فقہاء شریک ہوئے اور مفید تجاویز منظور ہوئیں۔

مسلم فیملی لا لکچر سریز کا سلسلہ بھی جاری ہے، گزشتہ چار برسوں میں ۲۵؍مذاکرے منعقد ہوئے۔

دو روزہ فقہی سیمینار کی مناسبت سے کچھ اور علمی کام کرائے گئے اور کچھ اہم کتابوں کی اشاعت عمل میں آئی۔ چنانچہ امسال پانچویں فقہی کے سیمینار کے تین مجموعے (جانوروں کی مصنوعی افزائش، بیع معدوم کی جدید شکلیں، یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے) شائع کیے گئے، نیز ان موضوعات پر لکھے گئے مقالات کی تلخیص الگ سے شائع کی گئی، فتاوی ندوۃ العلماء کی ترتیب و تدوین کا کام بھی چل ہے جس کی پانچ جلدیں شائع ہوچکی ہیں اور چھٹی جلد کا کام جاری ہے۔

ایک سال سے مجلس سے ایک علمی اور تحقیقی سہ ماہی مجلہ ''تحقیقات شرعیہ'' کے نام سے شروع کیا گیا ہے جو بڑا مقبول ہو رہا ہے۔

علمی اور تحقیقی ذوق پیدا کرنے کے لیے ادھر کئی برسوں سے مجلس میں دو ندوی فضلاء کو تحقیقی اور علمی کام کی تربیت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ ان باحثین کے ذریعہ پہلے ''فتاوی عزیزی'' کا کام شروع کرایا گیا جو مکمل ہوگیا ہے، امسال اس کتاب کے حواشی کی سیٹنگ کرائی گئی، نیز ''مجموعہ فتاوی عبد الحی فرنگی محلی'' کی تحقیق کا کام کرا گیا، ابھی اس

کتاب پر تقریباً نصف کام مکمل ہوا ہے۔

معهد الدراسات العلمية

الحمد للہ یہ معہد تخصصات کے مقالات پر کام کررہا ہے، گزشتہ سال قرآن مجید، حدیث شریف، فقہ جیسے تین اہم موضوعات پر مشتمل مقالات ایڈٹ کرکے شائع کیے گئے، گزشتہ برسوں میں ۸/ مقالات شائع ہوچکے ہیں، اس سال تین مقالوں پر کام ہوا جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- العلامة محمد الأمين بن محمد المختار الشنقيطي وتفسيره: أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن /مولانا مدثر احسن ندوی

۲-الجاحظ ونبذة من آرائه التفسيرية" /مولانا محمد عفان ندوی۔

۳- الكتب السماوية الثلاثة: في ضوء التاريخ والواقع / مولانا محمد شہاب الدین ندوی

تدریب علمی:

امسال اس شعبہ میں مختلف اختصاصات سے ۹/طلبہ منتخب کیے گئے اور قدیم طلبہ میں سے دو کی مزید ایک سال کے لیے توسیع کی گئی، اس طرح مجموعی تعداد ۱۱/ تھی، بحث وتحقیق کے لیے ان کو مختلف موضوعات، مخطوطات دیے گئے، الحمد للہ متعینہ مدت میں طلبہ نے مفوضہ کام مکمل کیا اور دونوں قدیم طالب علموں نے "موسوعة بيان الإسلام الرد على الإفتراءات والشبهات" کی گزشتہ سال جو تلخیص تیار کی گئی تھی، اس پر مزید اختصار اور تنقیح کا کام کیا۔ (۴۴۰/صفحات)

اس شعبہ کے طلبہ ایک گھنٹہ تدریسی خدمت بھی انجام دیتے ہیں، اس طرح تدریس کی ان کی ٹریننگ بھی ہوتی ہے۔

امسال مندرجہ ذیل موضوعات پر تحقیقی کام کرایا گیا:

۱- عبقرية الإمام ولي الله الدهلوي و فوائده التفسيرية / عبید اللہ ندوی (۲۶۰۰ صفحات)

۲-جهود المستشرقين في السنة النبوية وعلومها سلبًا وإيجابًا / نصر ظہور ندوی (۳۳۲/صفحات)

۳- تحقيق القول في رواية عن أهل الكتاب دراسة تطبيقية على مرويات كعب بن الأحبار ووهب بن منبه /عبد الرحمن ندوی (۱۴۳/صفحات)

۴-تحقیق مقدمہ بر فتاوی عالمگیری /محمد فیضان ندوی

۵- أحكام اليتامى في الإسلام مع التركيز على الوضع الهندي /سعد مبین الحق ندوی (۲۰۱/صفحات)

۶- دور المدارس في نشر الدعوة / عیسی ندوی

۷- الحركة العلمية في الدولة العثمانية / محمد فہیم ندوی (تین جلدیں)

۸-دليل الأدباء الندويين من أصحاب المؤلفات / ابوزید ندوی (۴۴۰/صفحات)

۹- الشعراء الندويون ونماذج من شعرهم / عبد اللہ زبیر ندوی (۲۲۱/صفحات)

شعبۂ تعمیر وترقی

یہ شعبہ ندوۃ العلماء کا اہم شعبہ ہے، جس کے تحت سفارتی، مالیاتی اور تنظیمی امور ہیں اور یہ شعبہ اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دے رہا ہے، سال رواں کئی دار الاقاموں میں مرمت اور پتائی کا کام کرایا گیا اور ابھی یہ کام جاری ہے اور کئی تعمیری منصوبے زیر غور ہیں۔

قدیم کینٹین کی عمارت بوسیدہ ہوگئی تھی، اس لیے اس کو منہدم کرکے اسی جگہ پر نئی عمارت کا کام شروع کردیا گیا ہے جو ان شاء اللہ جلد ہی مکمل ہوجائے گا۔ نیز مہمان خانہ (دار الشفاء) کی پہلی منزل کی مرمت کا کام کرایا گیا، ہر کمرہ میں نئے سرے سے باتھ روم بنائے گئے، ہر کمرہ میں اے سی لگایا گیا اور اس میں لفٹ بھی لگائی جارہی ہے تاکہ اوپر چڑھنے میں مہمانوں کو دشواری نہ ہو۔

متعلقہ ادارے

ندوۃ العلماء کے تعلیمی شعبوں کے علاوہ اس سے تعاون رکھنے والے کئی ادارے اور بھی ندوۃ العلماء کی سرکردگی میں سرگرم عمل ہیں جن میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، عالمی رابطہ ادب اسلامی اور تحریک پیام انسانیت قابل ذکر ہیں، ان کے دفاتر بھی احاطہ دار العلوم میں ہیں، اس لیے کہ ان اداروں اور تحریکوں کا تعلق ندوۃ العلماء سے گہرا ہے۔ رابطہ ادب اسلامی کا سہ ماہی مجلہ ''کاروان ادب'' اب پھر الحمد للہ بہتر گٹ اپ اور منتخب مضامین کے ساتھ شائع ہورہا ہے۔

حضرات! ہمارے رفقائے کار کی طرف سے جو اشتراک اور تعاون ملتا ہے وہ بہت لائق قدر اور باعث تقویت ہے، دونوں معتمد حضرات صاحبان، حضرت مہتمم صاحب اور ان کے نائبین صاحبان، ناظر عام صاحب اور دیگر حضرات کی فکرمندی و تعاون یہاں کی ذمہ داریاں بہتر طریقہ سے پورا کرنے کا ذریعہ ہیں، اللہ تعالی قبول فرمائے اور جزائے خیر عطا کرے (آمین)۔

بلال عبد الحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

(۵/اپریل ۲۰۲۶ء)

☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

Date 10th May 2026

تاریخ ۱۰ مئی ۲۰۲۶ء

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اور ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات و عطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد عمار حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

عطیات	A/c No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

Nizamat office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91-8736833376

پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کارروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا